ہفت روزہ
فریاد
کندھ کوٹ
۲۵- اکتوبر ۱۹۷۸
پاکستان کا سیاسی بحران؟ صفحہ ۵ پر
بھٹو سے خفیہ مصالحتی کوششیں ناکام ہوگئیں
صفحہ ۱۱ پر دیکھیے
قیمت ۵ روپے
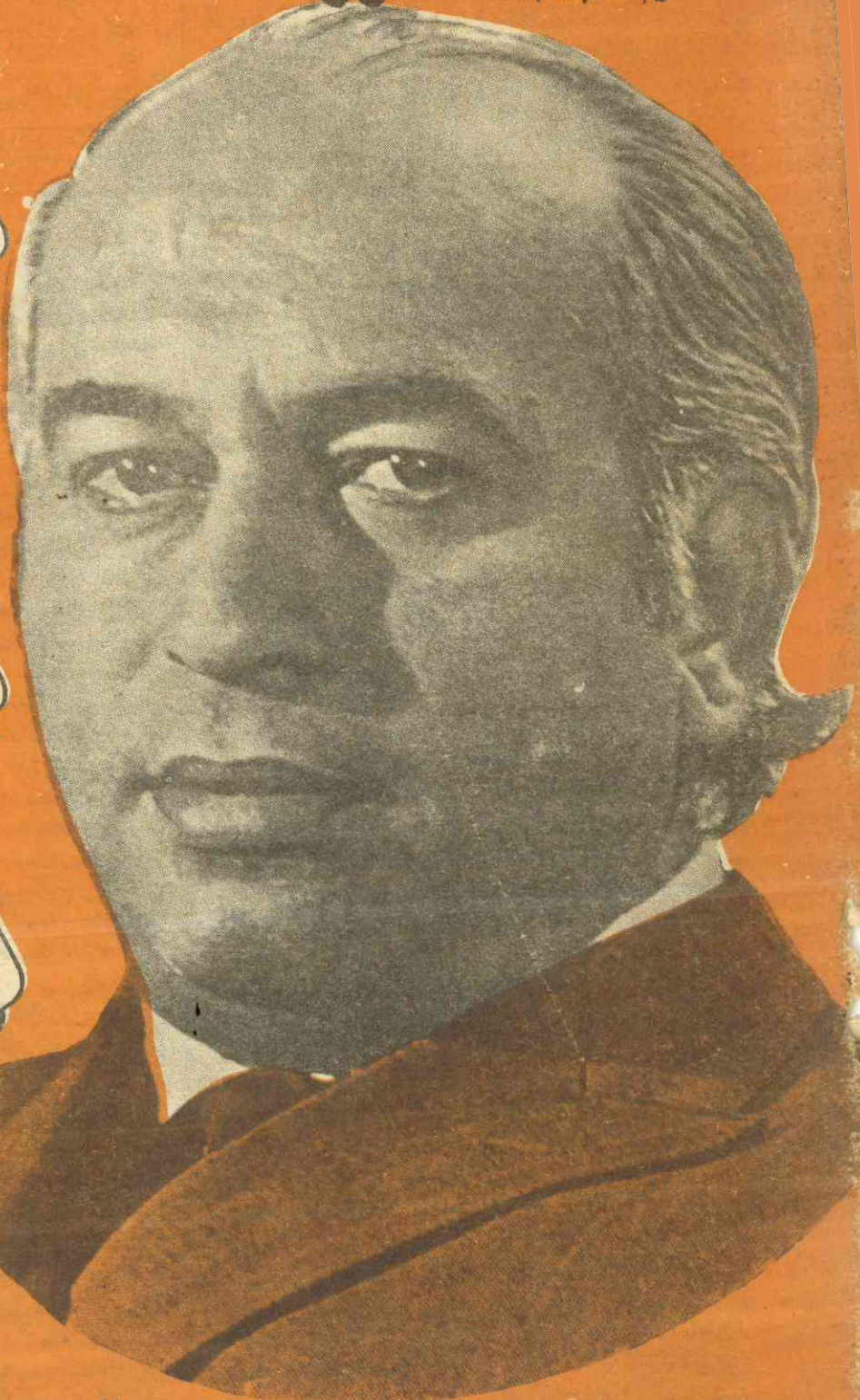
قارئین کہتے ہیں

مجاہدین صحافت کو سلام

آل پاکستان نیوز پیپر ایمپلائز کنفیڈریشن اور پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے مجاہدوں نے آزادیٔ صحافت کی عظیم اور تاریخ کی سب سے طویل تحریک کے سلسلے میں جس ثابت قدمی اور جوانمردی سے حکومت کے آگے سر جھکانے کے بجائے ہر قسم کے دشوار ترین حالات جن کا تصور بھی صحافی برادری کے لیے دشوار تھا ڈٹ کر مقابلہ کیا آزادیٔ صحافت کا پرچم سربلند رکھا۔ اور حکمرانوں کو بتا دیا کہ صحافی برادری اپنے حقوق اور آزادی کے لیے کسی کے سامنے سرنگوں ہونے کو تیار نہیں.

آزادیٔ صحافت کے عظیم فرزندوں نے اسیری کے سخت ترین لمحات برداشت کیے شمع آزادی کی لو اور تیز کر دی ہے جس پر آج ساری قوم فخر سے ان مجاہدوں کو سلام پیش کر رہی ہے کتنے دکھ کی بات ہے کہ قوم کے سب سے اہم طبقے یعنی صحافت سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ بجائے مذاکرات کے محاذ آرائی کی پالیسی پر عمل پیرا کیا گیا مگر تاریخ گواہ ہے ہمیشہ ظلم فنا ہوا ہے. اور حق و باطل کے معرکہ میں حق کو سرخروئی نصیب ہوتی ہے. اگر حکومت اور اس کے نام نہاد وزرا مفاہمت کی پالیسی اپناتے ہوئے اصل نمائندوں سے مذاکرات کر لیتے تو نوبت گرفتاریوں اور بھوک ہڑتال تک نہ پہنچتی۔ اور بیرونی ملکوں میں جو رسوائی ہوئی ہے وہ ہمارے نصیب میں نہ آتی اس تحریک کو ناکام بنانے میں جن لوگوں نے حصہ لیا وہ اب عوام کے سامنے بے نقاب ہو چکے ہیں اور ان کی آزادیٔ صحافت سے محبت بھی ظاہر ہو چکی ہے بہر حال اب حکومت کا فرض ہے کہ وہ صحافیوں کے مطالبات جن کی حمایت پوری قوم کرتی ہے پورے کرے اور کابینہ کے وزرا کو چاہیئے کہ وہ ایسے بیانات نہ دیں جس سے صحافی برادری میں انتشار پھیلے۔ اور غلط فہمیاں جنم لیں میں آزادیٔ صحافت کے تمام مجاہدوں کو سلام عقیدت پیش کرتی ہوں جنہوں نے جیلوں کی اذیتیں برداشت کیں۔ آزادیٔ صحافت زندہ باد۔

رشیدہ ابراہیم گھانچی
گرینڈ ٹاؤن۔ کراچی۔

قومی اتحاد وعدہ پورا کرے

پاکستان میں بے روزگاری انتہائی شدت اختیار کرتی جا رہی ہے بے روزگاری میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے تعلیم یافتہ لوگوں کا بے کار رہنا از حد افسوسناک ہے پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں افرادی قوت کا ضائع ہونا اور بھی خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے ماضی میں کسی بھی حکومت نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوشش نہیں کی پاکستان قومی اتحاد نے الیکشن کے دنوں میں انجمن بے روزگاران پاکستان سے تحریری وعدہ کیا تھا کہ قومی اتحاد برسر اقتدار آ کر بے روزگاری ختم کر دے گا بیشتر مرتبہ اخباری بیانوں میں جناب پروفیسر غفور احمد اور جناب چودھری ظہور الٰہی نے اس مسئلے کو حل کرنے کے وعدے کیے لیکن جب سے یہ لوگ برسر اقتدار آئے ہیں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اسے حل نہ کیا جا سکے کئی ممالک میں بیروزگاری سرے سے موجود نہیں ہے جن ممالک کو یہ مسئلہ درپیش ہے وہاں اس کا حل تلاش کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ ہندوستان کے صوبہ بہار میں بے روزگاری الاؤنس دینے کا اعلان کیا گیا ہے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلے کی اہمیت کا آپ کو احساس دلایا جائے بے روزگاری کی وجہ سے لوگ بھوکے مر رہے ہیں. آپ کو علم ہوگا کہ بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کے واقعات بھی رونما ہو رہے ہیں اور پھر اسلام میں تو بھوک کے مسئلہ کو حل کرنا از حد ضروری ہے ہے. مطالبات مع تجاویز مندرجہ ذیل ہیں.

۱۔ تمام بے روزگاروں کو ملازمت فراہم کی جائے یا تمام بے روزگاروں کو بے روزگاری الاؤنس دیا جائے.

تجاویز:۔ صوبہ بلوچستان میں نئی بندرگاہ تعمیر کی جائے۔ بندرگاہ تعمیر ہونے سے روزگار کے مواقع فراہم ہونگے اور بندرگاہ کی وجہ سے ایک نیا شہر بھی آباد ہوگا جس میں مزید کئی قسم کے روزگار کے مواقع پیدا ہونگے.

تمام بنجر زمین گذارہ یونٹ کے حساب سے بے روزگار مزارعوں میں تقسیم کر دی جائے۔

بنیادی ضروریات کے جلد قائم ہونے والے کارخانے لگائے جائیں۔

انتظامیہ اپنے اخراجات میں خاطر خواہ کمی کرے. سرمایہ داروں اور جاگیرداروں پر بے روزگاری الاؤنس ٹیکس نافذ کیا جائے اور اس سے حاصل شدہ رقم الاؤنس کی شکل میں بے روزگاروں میں تقسیم کی جائے۔

بے روزگاروں کے علاقائی سنٹر قائم کیے جائیں. جنہیں حکومت کے زیر نگرانی پیداواری کام لیا جائے.

غیر ملکی قرضوں پر سود کی ادائیگی فوری طور پر بند کر دی جائے تاکہ اس سے بچنے والی رقم سے نئے کارخانے لگ سکیں. اور عبوری عرصے میں بے روزگاروں کو الاؤنس دینے میں مدد مل سکے۔

نیز آئندہ اشد ضرورت کے تحت دوست ممالک سے بلا سود قرضے حاصل کیے جائیں۔ آخر میں ہم امید کرتے ہیں کہ ارباب اقتدار بے روزگاروں کا مطالبہ پورا کرنے میں سنجیدگی سے غور فرما کر جلد از جلد اقدامات شروع کریں گے تاکہ ہم جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھ سکیں.

عقیل احمد خان سیکرٹری
نشر و اشاعت، انجمن بے روزگاران
پاکستان۔ لاہور

شیعہ نصاب

اس وقت پاکستان کے شیعہ حضرات میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ اسکولوں اور کالجوں سے لیکر یونیورسٹیوں تک ہر سطح پر شیعہ طلبا کے لیے نصاب دینیات علیٰحدہ ہو اور اس کی تعلیم کے لیے شیعہ معلم ہی مقرر کیے جائیں یہ بات انہوں نے صوبہ سرحد کے اہم مقامات اور قبائلی علاقوں اور پنجاب کے بعض شہروں کا دورہ کرنے کے بعد لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ شیعہ قوم کا یہ مطالبہ نہ صرف درست بلکہ فطری بھی ہے کیونکہ اپنے عقائد سے واقفیت حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور پاکستان کی بنیاد بھی اس بات پر ہے کہ ہر مسلمان کو اپنے عقائد کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو۔ بشرطیکہ وہ دوسروں کے لیے جارحیت کی شکل اختیار نہ کرے انہوں نے کہا کہ ایسی صورت کے پیش نظر جامعہ ازہر قاہرہ علی گڑھ یونیورسٹی اور خود پاکستان میں کراچی یونیورسٹی اور بہت سے کالجوں کے علاوہ سندھ مدرسۃ الاسلام میں شیعہ سنی دینیات کی الگ الگ تعلیم دی جاتی ہے اور معلم بھی الگ الگ ہیں۔

پاکستان کی صورتحال دیگر ممالک اسلامیہ سوڈان لیبیا اور سعودی عرب سے بالکل مختلف ہے یہاں شیعہ اور سنی دونوں مملکت کے دو بازوؤں کی حیثیت رکھتے ہیں اس بنا پر دونوں کے تمام جائز مذہبی سیاسی علمی اور سماجی حقوق کا تحفظ حکومت کا فرض ہے انہوں نے اپنے بیان میں وزیر تعلیم کی "مشترکہ دینیات" کی تجویز کو ناقابل قبول قرار دیا اور کہا کہ شیعوں کا یہ مطالبہ بھی فطری ہے کہ ان پر وہ تعمیری کتاب لازم ہو جو ان کے لئے جائز ہو، اور کسی دوسرے اسلامی مکتب فکر کو ان پر مسلط نہ کیا جائے علاوہ ازیں شیعہ حضرات کو یہ بھی شکایت ہے کہ نفاذ شریعت کے سلسلہ میں سعودی عرب اور دوسرے ملک سے صرف ان شخصیتوں کو اسلام آباد آنے کی دعوت دی جا رہی ہے جو شیعہ مکتب خیال سے تعلق نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ شیعوں کے لیے عزاداری کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے اس سلسلہ میں یہ امر بھی واضح طور پر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ وہ اس معاملے میں کسی قسم کی رکاوٹ یا بندش قبول نہیں کر سکتے.

جداگانہ نصاب دینیات کا مسئلہ دراصل معاشرتی اور روحانی اقدار کے تحفظ کا معاملہ ہے اور شیعوں کا یہ مطالبہ نہ صرف عالم انسانی کے بین الاقوامی منشور کے عین مطابق ہے بلکہ اسلامی نظام مملکت کی بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے یہی نہیں بلکہ پاکستان کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا کہ برصغیر کے مسلمان اپنے اپنے عقائد کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔

آئمہ اربعہ اور آئمہ اثنا عشر مسلمانوں کے درمیان دو بڑے واضح اور جداگانہ مکاتب فکر ہیں جن کی تاریخی حیثیت مسلمہ ہے اور ان کے درمیان اختلاف رائے ایک فطری معاملہ ہے ایسی صورت میں مشترکہ نصاب دینیات کی تجویز بڑی مضحکہ خیز ہے اس لیے رواداری کا تقاضہ یہ ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کے جذبات کا پوری طرح احترام کرنا چاہیئے اور ہر ایک کو اپنے فطری ماخذ کے مطابق زندگی کے عمل کو دہرانے کی آزادی اس حد تک ہونا چاہیئے کہ جس سے دوسروں کی دل آزاری نہ ہو مسلمانوں کے درمیان عقائد کی تفریق کو جو ایک تاریخی حقیقت ہے کلیتہً ختم کرنا اب ممکن نہیں ہے اتحاد ملک و ملت کے لیے لسانی اور معاشرتی رواج کی تفریق کو بہر حال ختم کرنا ہوگا۔ اس کے لیے ضروری

کندھ کوٹ

۲۵ اکتوبر ۱۹۷۸

قیمت ۵ روپے

دفتر رابطہ

مطبوعات

۶۹۔ ڈی، ڈی، سری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس، کراچی ۔
فون: ۴۲۷۴۲۷

خاص مضامین

دو فخریہ کارنامے ______ حسین نقی ______ ۵
پھانسی پہلے، جرم کا ثبوت بعد میں ______ منہاج برنا ______ ۶
مفتی محمود کا انٹرویو بھی سنسر کی نذر ہوگیا ______ ذوالفقار حیدری ______ ۷
ووٹروں کا اندراج اور حلقہ بندیاں،
الیکشن کمیشن نہیں جماعت اسلامی کر رہی ہے ______ غیبوں کی ڈائری ______ ۱۰
سیاسی اقلیتی جماعت کی بالا دستی ______ امان تاجک ______ ۱۳
محمد عظیم فاروقی، ڈنڈا، پائپ اور بدبو ______ شبیہہ الحسن ______ ۲۸

پبلشر کوڑا خان مری نے مہران پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ فریاد کندھ کوٹ سے جاری کیا۔

یہ ملک کسی گروہ یا فرد کی میراث نہیں

سرکاری ذرائع ابلاغ سے سردار شیر باز مزاری کا وہ بیان بڑے اہتمام کے ساتھ نشر کیا گیا جس میں انہوں نے انتخابات کے بغیر قومی اتحاد کو اس شرط پر اقتدار کی منتقلی کہ اس میں شامل جماعتیں خود کو ایک جماعت میں ضم کر لیں، کی مخالفت کی ہے۔ دوسرے افراد کے اسی نوعیت کے بیانات کو بھی کافی اہمیت دی جا رہی ہے۔ انتقالِ اقتدار کی یہ تجویز جنرل ضیاالحق صاحب نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس کے دوران پیش کی اور وہ بھی ایک اخباری نمائندے کے اس سوال کے جواب میں کہ آیا وہ شاملِ اقتدار سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے وزرآ کی کارکردگی سے مطمئن ہیں؟

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکاری ذرائع ابلاغ کے نزدیک یہ تجویز جنرل صاحب نے زورِ بیان میں پیش کر دی ہے اور وہ اس کے تاثر کو زائل کرنے کے لئے اس تجویز کی مخالفت کو زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ اگر جنرل صاحب اس بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں تو سیاست کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اسے بعد از وقت ہی قرار دے سکتا ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسا کرنا مقصود تھا تو اس کا بہترین وقت مئی۔ جون ۱۹۷۷ء تھا جب کہ قومی اتحاد کی صف میں تحریکِ استقلال، نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی اور جمعیت العلمآ پاکستان شامل تھیں اور اسے آج کی بہ نسبت کئی سوگنا زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت بھی یہ مقبولیت چند علاقوں تک محدود رہی ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے مارشل لآ حکومت کی اس واضح یقین دہانی کے بعد اسے "ریاستی ضرورت" کے تحت جائز قرار دیا تھا کہ وہ جلد از جلد انتخابات منعقد کروا کر اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دے گی۔ اس تناظر میں اگر جنرل صاحب کی حالیہ تجویز کو دیکھا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سپریم کورٹ کو دی گئی اس واضح یقین دہانی کی خلاف ورزی کا فیصلہ کر لیا گیا ہے؟ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو کیا اس حکومت کو سپریم کورٹ کا عطا کردہ جواز برقرار رہے گا؟

موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ ملک شدید ترین اقتصادی اور سیاسی بحران کا شکار ہے اور موجودہ حکومت ملک کے عوام کی اکثریت کی حمایت سے محروم ہے۔ سیاسی اخلاق اور قومی مفادات کا تقاضہ یہ ہے کہ موجودہ بحران سے نکلنے کے لئے مصنوعی اور عوامی خواہشات کے خلاف طریقے اختیار کر کے نئے بحران پیدا کرنے کی کوششیں نہ کی جائیں، یہ ملک کسی فرد یا گروہ کو ورثے میں نہیں ملا ہے کہ اسے ترکہ سمجھ کر بانٹ لیا جائے، اسے عوام نے اپنی جدوجہد سے وجود بخشا ہے اور یہ انہیں کا حق ہے کہ اس کے مستقبل، اقتصادی نظام اور طرزِ حکومت کا فیصلہ کریں۔ اس لئے جلد از جلد عام انتخابات کے ذریعے منتخب عوامی نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی ہی واحد قابلِ قبول اور قومی مفادات سے مطابقت رکھنے والا حل ہے۔

ملکی سالمیت پر ضرب

۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے آج تک حکومت کی اعلیٰ سطح سے بڑے شدومد سے صحافت کے آزاد ہونے کے دعوے کئے جاتے رہے ہیں اور وعدہ معاف گواہوں کی تبیل کا ایک گروہ آمناً و صدقناً کا ورد کرتا رہا ہے۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ اکتوبر ۷۷ء میں اور اپریل سے اکتوبر ۱۹۷۸ء تک صحافیوں اور اخباری کارکنوں اور آزادئ اظہار کے طلب گار مزدوروں، کسانوں اور طلبآ کو شدید جدوجہد کرنی اور قربانیاں دینی پڑیں اور دنیا اب یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ خوشگوار ماحول پیدا کرنے کی یقین دہانی کے بعد اخباری کارکنوں کی تحریک کے ختم ہوتے ہی ملک بھر کے ان اخبارات اور جرائد پر سنسر شپ کی پابندی عائد کر دی گئی جو شامل باجا بننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ سنسر شپ پر جن افراد کے ذریعے عمل درآمد ہوگا، ان میں سے کون ہوگا جو ذرہ برابر بھی مخالفانہ خبر کی اشاعت کی منظوری دے کر اپنے روزگار اور مستقبل کو خطرے میں ڈالے گا۔ اس کا مطلب واضح ہے کہ صرف قصیدہ خوانی کی اجازت ہوگی۔ متاثرہ اخبارات و جرائد نے عارضی طور پر اپنی اشاعت معطل کر کے خاموش احتجاج کر لیا ہے۔ مگر بات یہاں ختم نہیں ہوگی۔ اگر یہ صورتِ حال برقرار رہی تو ہر افواہ مصدقہ خبر کی حیثیت اختیار کرتی رہے گی۔ بے اعتباری اور گہری ہوتی جائے گی جو یقیناً ملکی سالمیت کی جڑوں پر ضرب لگائے گی ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ آپ خود اپنے بنائے ہوئے عام قوانین اور عدالتوں پر اعتبار کریں اور غلطی کرنے والے اخبارات و جرائد کے خلاف عدل و انصاف کے اصولوں کے مطابق کارروائی کی جائے، ہم اس کے برعکس ہر اقدام کی پُرزور مذمت کرتے ہیں۔

(۱) "نمائندہ سِول کابینہ"
(۲) "سنسر شدہ آزاد صحافت"

آج جو ہو رہا ہے ہونے دیجئے، کل اس کا ماتم کر لیں گے

جنرل ضیاء نے دوبارہ سیٹی بجادی ہے

کیوں صاحب جب بغیر انتخاب کے (جو ۱۹۷۷ء میں دھاندلی کی نذر ہو گیا تھا اور ہر طرف "دھاندلی دھاندلی" کے شور میں بھٹو حکومت کی معزولی کا سبب بنا تھا) ملک میں ایک "نمائندہ" سول کابینہ قائم ہو سکتی ہے تو سنسر کے باوجود "آزادیٔ صحافت" کیوں برقرار نہیں رہ سکتی۔

اب ہمارے پاس یا ہمارے پیارے ملک میں دو عجوبے ہو گئے اور ہم اپنا سر فخر سے بلند کر سکتے ہیں ایک ہے "نمائندہ سول کابینہ" اور دوسرا "سنسر شدہ آزاد صحافت"

اگر آپ کو یقین نہ ہو تو حضرت محمود اعظم فاروقی سے تصدیق کرالیں۔ ایسی ہی "آزاد صحافت" ان کے ایک پیشرو اور سابق ہم جماعت (ایک کلاس میں ساتھ پڑھنے والے نہیں بلکہ ایک ہی جماعت اسلامی کے رکن) کے دور میں بھی جاری و ساری رہی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ کوئی نئی بات نہیں، اور آپ ہرگز ہرگز جنرل ضیاالحق صاحب کو اس کے لئے موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ کہ انہوں نے محض بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے ہی میں سعادت جانی۔

مجھے پتہ نہیں کہ یہ کالم کس کس جگہ سے سنسر کی زد میں آئے گا کیونکہ سنسر کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کسی لکڑیاں چیرنے والے سے باغ جناح میں مالی کا کام لینا شروع کر دیا جائے پھر باغ جناح کا جو حشر ہو گا وہی اس کالم کا بھی ہو گا۔

آپ ہمارے حوصلہ کی داد دیجئے یا اسے ہمارے پیٹ کی فریاد سمجھئے کہ ہم پھر بھی کالم لکھنے پر مصر ہیں ہمارا آج آپ سے شاید بہت اختلاف بھی ہو جائے مثلاً اس بات پر کہ ہم سمجھتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق میں بے انتہا حسِ مزاح موجود ہے اور اس کے ثبوت میں میری ایک دلیل ہے۔ میرا خیال ہے کہ جنرل ضیاء نے یہ کہکر کہ وہ قومی اتحاد کو طاقت سونپنا چاہتے ہیں بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو ایک متحد جماعت بنالے ایک لطیف مزاح فرمایا تھا۔ ہماری قوم اور پھر سیاستدانوں میں مزاح کو سمجھنے کا اس قدر فقدان ہے کہ وہ اس لطیف بیان کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہے۔ اور انہوں نے اس پر سنجیدہ ناراضگی یا ناپسندیدگی کا رویہ اختیار کر لیا ہمارے دوست حنیف رامے حکومت کرنے کے بعد واپس جانے سے لیکر اب تک حسِ مزاح سے اسقدر محروم ہو گئے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیان میں کافی اول فول لکھ دیا۔ اور وہ بھی اپنی خوشخطی کا رعب ڈالنے کے لیے اپنے قلم سے۔

ایسی ہی ناراضگی کا اظہار سردار شیر باز مزاری نے بھی کیا ہے لیکن وہ بلوچ سردار ہیں اور بلوچی کے ادیب بھی، اس لئے ہمیں زیادہ شکایت ان سے ہے حنیف سے نہیں۔ رامے ناراض ہو سکتے ہیں کہ وہ بھی اپنے آپ کو کسی سے کب کم سمجھتے ہیں اور ادب آرٹ ہر جگہ ان کی ٹانگ پھنسی ہوئی ہے کم از کم وہ ایسا ہی سمجھتے ہیں لیکن ہمارے پاس سعادت حسن منٹو کی سند ہے کہ یہ "صاحبزادے" (ہم نہیں کہہ رہے سنا ہے منٹو نے کہا تھا) ادیب نہیں نہ ادب شناس ہیں۔

کچھ جنرل ضیاء کا مزاح مولانا نورانی نے سمجھا جب ہی انہوں نے کہا کہ یہ پی این اے والے سب کچھ کر دکھا سکتے ہیں اتحاد نہیں کر سکتے۔ متحد نہیں ہو سکتے یہی بات جنرل ضیاء کی پیشکش میں موجود ہے کہ میاں فرہاد، شیریں کو اپنے نکاح میں لینا چاہتے ہو تو نہر کاٹ کر دکھاؤ۔

آپ تو پڑھے لکھے لوگ ہیں ایسی ہم تو عاشقوں سے بھی سر نہیں ہو سکی بوالہوس کیسے سر کریں گے اور پھر یہ تو عقد ثانی بلکہ چار چار کے قائل ہیں۔

ویسے جنرل ضیاء نے دوبارہ سیٹی بجادی ہے اور ہم آپ نتیجہ دیکھنے کے منتظر ہیں لیکن میں مولانا نورانی سے متفق ہوں کہ ان نوری مسائل کو وہ خوب سمجھتے ہیں۔ ابھی ملتان میں انہوں نے جسارت اور نوائے وقت دونوں کی بلیوں کی دُم پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ اور میاؤں میاؤں کا شور پڑا ہوا ہے۔

بہرحال جنرل ضیاء کو میں نے ایک اچھا مزاح نگار پایا۔ اور اب کے تو انہوں نے واقعی کمال کر دیا ویسے بھی آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ ہمارے مزاح نگار ادیبوں کی اکثریت کا تعلق ہماری جیالی افواج سے ہے شفیق الرحمان، کرنل محمد خان دونوں ہی فوجی

(باقی صفحہ ۵ پر)

پرانی سیاست گری خوار ہے

منہاج برنا

پھانسی سے پہلے

جرم کا ثبوت بعد میں

پی این اے اور جنرل ضیاء کے تعلقات عاشقی اور معشوقی کا مسئلہ ہے

مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ مجریہ ۱۹۶۲ء کے ترمیمی آرڈی نینس مجریہ ۱۹۷۸ء اور "تنظیم سازی کی آزادی کے آرڈر مجریہ ۱۹۷۸ء" پر تبصرہ کروں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کس کس چیز پر تبصرہ کروں۔ کوئی ایک مسئلہ ہو تو اُس پر تبصرہ کیا جائے۔ یہاں تو صورت یہ ہے کہ موجودہ مارشل لاء حکومت حکم پر حکم جاری کر رہی ہے۔ ابھی ایک حکم پر غور ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا نافذ کر دیا جاتا ہے۔ گذشتہ ہفتے عشرے میں کیا کچھ نہیں ہوا۔ ایک طرف سیاسی جماعتوں کا ترمیمی آرڈی ننس نافذ کیا گیا تو اس کے ساتھ گیارہ ایسے اخبارات و جرائد پر پیشگی سنسر شپ کی پابندی عائد کر دی گئی جو موجودہ حزبِ اختلاف سے تعلق رکھتے ہیں یا آزاد ہیں اور حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے بعد یہ فرمان شاہی بھی غور طلب ہے کہ جس کے ذریعہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور اب صدرِ پاکستان نے پاکستان قومی اتحاد کی جماعتوں کو مشورہ دیا ہے کہ اگر وہ آپس میں ضم ہو کر ایک جماعت بن جائیں تو وہ انتخابات کرائے بغیر اقتدار ان کے حوالے کر دیں گے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اب معاملہ کسی اصول یا قانون کی پابندی کا نہیں ہے بلکہ ذاتی پسند اور شاہانہ اختیارات کا ہے۔ اس میں نہ اسلام کو دخل ہے نہ موجودہ جمہوری اصولوں کو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک جو برِ صغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے قائدِ اعظم کی قیادت میں حاصل کیا تھا جناب جنرل ضیاء الحق صاحب کی ذاتی میراث ہے۔ کہ جس کو چاہیں اس کے حوالے کر دیں، بلکہ یوں کہیے کہ سیاست موجودہ مارشل لاء کے دور میں "عشق و محبت" کا مسئلہ بن گئی ہے کہ جس میں عاشق اپنے محبوب کے لئے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ فارسی کے ایک شاعر نے تو "بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را" کہہ کر اپنے محبوب کے عارض کے سیاہ تِل کی خوبصورتی پر اُسے سمرقند اور بخارا کے شہر نار رانی کر دیتے تھے، یہاں ہمارے علمبردارِ اسلام چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب بغیر انتخابات کے مفتی محمود اور ان کے قومی اتحاد کو ملک کے نظم و نسق کے جملہ اختیارات تفویض کرنے کے لئے تیار ہیں۔ واللہ کیا عاشقی ہے اور کیا معشوقی ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ ایک طرف دعویٰ اسلامی نظام اور اسلامی قوانین کے نافذ کرنے کا ہے، اسلامی طرزِ حکومت اپنانے کا ہے، اور دوسری طرف اپنی پسند کی سیاسی جماعت کو سیاسی اقتدار سونپ دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ موجودہ سیاسی جماعتیں غیر اسلامی ہیں، موجودہ جماعتی سیاست غیر اسلامی ہے، انتخابات غیر اسلامی ہیں، نمائندوں کو عوام کے ووٹوں کے ذریعہ منتخب کرنا غیر اسلامی ہے، تو بھائی صاحب پھر اسلامی کیا ہے۔ کیا پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ضیاء الحق صاحب کی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے سر پر خلافت کا تاج رکھ دیا تھا یا مسلمانانِ عرب نے اپنی مرضی اور پسند سے انہیں خلیفہ تسلیم کرنے کے لئے اِن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس طرح اُمتِ اسلامیہ نے اپنا جمہوری حق استعمال کیا تھا۔ کیا آنحضرتؐ کے دور میں کسی جرنیل نے جناب ضیاء الحق کی طرح مارشل لاء نافذ کر کے سیاسی اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اور بغیر بیعت کے کہ جو اُس دور کا طریق انتخاب تھا سیاسی اقتدار اپنی پسند کے کسی شخص یا گروہ کے سپرد کر دیا تھا؟ کیا یہی وہ نظامِ مصطفےٰ اور نظامِ اسلام ہے جس کی تبلیغ جناب ضیاء صاحب اور اُن کی کابینہ میں شریک پاکستان قومی اتحاد کے رہنما اور وزراء فرما رہے ہیں؟ کیا یہ اسلامی نظام کی توہین نہیں ہے۔ کیا یہ نظام مصطفےٰ کی توہین نہیں ہے؟؟؟

میرے نزدیک تو موجودہ حکمرانوں نے نہ صرف جمہوریت اور اُس کی مسلّمہ قدروں کو تج دیا ہے بلکہ نعوذ باللہ گویا کہ اسلام اور اس کی اعلیٰ

(باقی ص ۴۹ پر)

جنرل ضیا مسلم لیگ کا صدر بن کر اقتدار
قومی اتحاد کے حوالے کرنا چاہتے ہیں

مفتی محمود کا انٹرویو بھی سنسر کی نذر ہو گیا

ابلاغِ عامہ کی نئی پالیسی سے
ٹی وی کو ایک کروڑ روپے کا نقصان

جمہوریت کی بحالی اور قانون کی بالادستی کے نام پر معرض وجود میں لائی جانے والی مارشل لاء حکومت نے جمہوریت انصاف، قانون اور اسلام کے اصولوں کی سربلندی کے لیئے ملک میں کچھ اخبارات کے لیئے سنسر کی پابندی عائد کر دی ہے۔ کچھ اخبارات اس لیئے کہ باقی اخبارات تو وہی بول رہے تھے جو اسے پسند ہے سنا تھا کہ سچ کڑوا ہوتا ہے اور اسے برداشت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اب اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا ہے اسلام جمہوریت، قانون، اور سچائی کس کس اعلیٰ اصول کے نام پر آج کے حکمران اپنے دشمن جو کچھ لکھتے اور بولتے رہے ہیں اگر اس کا عشر عشیر بھی اب اخبارات میں شائع ہو جائے تو نہ جانے کیا حال ہو مگر انہوں نے تو ابھی کچھ سنا ہی کچھ پڑھا ہی نہیں اور کچھ دیکھا ہی نہیں کہ ان کے حوصلے جواب دے گئے ۲۴ اگست کو مارشل لاء کے تحت سول کابینہ نے حلف لیا تو دعویٰ کیا گیا کہ اس ملک میں آزادئ صحافت ہے اخبارات جو چاہیں لکھیں البتہ واضح رہے کہ ہم مادر پدر آزادی کے قائل نہیں ہیں مکمل آزادی کا کوئی تصور نہیں ہے اگر ایسا ہوا تو سیر نہ جانے کیا ہو جائے؟ بہرحال آزادئ صحافت مارشل لاء کے دور میں پروان چڑھنے لگی وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی ذات دِل آزادئ صحافت کا ڈھنڈورا پیٹنے لگے ایک روز انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہم اپوزیشن میں رہے ہیں ہم نے بھی تنقید کی ہے ہم تنقید کرنا اور اسے برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں جس روز اس حوصلے کا دعویٰ اخبارات میں شائع ہوا اسی روز حکومت کا حوصلہ دم توڑ گیا اور سنسر کی پابندی عائد کر دی گئی وزیر اطلاعات نے تو اس وقت واقعی حد کر دی جب راولپنڈی کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ آزادئ صحافت اب بھی ہے اخبارات آزاد ہیں کہ وہ جو چاہیں لکھیں، ہم پر عوام نے کئی بار اعتماد کیا ہے عوام جب چاہیں ہمیں گریبان سے پکڑ کر اُتار دیں ہم وفاقی وزیر اطلاعات سے پوچھتے ہیں کہ اگر انہوں نے ہم کا صیغہ صرف اپنی ذات کے لیئے استعمال کیا ہے تو خیر، اور اگر انہوں نے عوام پر تہمت جماعت اسلامی یا قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کے لیئے لگائی ہے تو انہیں ذرا وضاحت کر دینی چاہیئے کہ یہ حادثہ کب پیش آیا کہ ان کی جماعت یا جماعتوں کو اس ملک میں عظیم اکثریت انتخابات کے ذریعے حاصل ہوئی ہے یہ سب اس لیئے کہ ریکارڈ درست کیا جائے جماعت اسلامی جس سے وزیر اطلاعات کا تعلق ہے اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ خوب ڈٹ کر جھوٹ بولو۔ کوئی تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہے جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد کا ارشادِ گرامی ہے کہ بانئ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا مودودی کو دعوت دی کہ وہ ریڈیو پاکستان پر تقاریر کے ذریعے عوام پر اسلام اور اسلامی مملکت کا تصور واضح کریں۔ آپ سارا ریکارڈ چھان ماریں اس نام کا کوئی حادثہ کبھی پیش نہیں آیا کہ قائداعظم نے مولانا مودودی کو کبھی اس قسم کی دعوت دی ہو۔ ہم نے جب میاں طفیل محمد کا یہ دعویٰ سنا تو یاد آیا کہ ریڈیو پاکستان سے جب بھی کسی کو تقریر کی دعوت کے لیئے کنٹریکٹ جاری کیا جاتا ہے اس پر پروڈیوسر کے دستخط کرنے کی جگہ تحریر ہوتا ہے برائے صدر پاکستان۔ پہلے یہ الفاظ گورنر جنرل پاکستان ہوا کرتے تھے میاں طفیل نے ریڈیو کے ان کنٹریکٹ لیٹرز کو یہ سمجھ لیا کہ وہ بانئ پاکستان نے بذات خود جاری کیئے ہیں ٹیلیفون کوئی لگوائے تو کنٹریکٹ پر صدر پاکستان کی طرف سے متعلقہ انجینئر دستخط کرتے ہیں۔ اسی لیئے تو کہتے ہیں کہ خدا آنکھوں سے چاہے اندھا کر دے مگر عقل سے کبھی اندھا نہ کرے۔

سنسر کی پابندیاں اس قدر شدید ہیں کہ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کمبائنڈ ملٹری اسپتال میں ہی ان پابندیوں پر شدید احتجاج کیا۔ مولانا مفتی محمود کا یہ انٹرویو تعمیر کے نمائندے نے کیا۔ اور جب کاپی سنسر کے لیئے ایک بہت معمولی سرکاری ملازم کے سامنے گئی تو اس نے سب سے پہلے مفتی محمود کا بیان کاپی سے اکھاڑ دیا۔ تصویر ان کی لگی رہنے دی اس سے اندازہ ہوا کہ یہ بیان مفتی صاحب کا تھا اگلے روز تمام لوگ باجماعت مفتی صاحب کے حضور پہنچے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ جناب یہ کیا حرکت ہے آپ کی پارٹیاں حکومت کا حصہ ہیں اور آپ حضرت کے اقدامات کے خلاف بیان دیئے چلے جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے آپ نے اخبار نویسوں کے حق میں بھی بیان دے دیا تھا مفتی صاحب مصلحتوں کے قائل

انہیں ہیں ہمیشہ کالے قوانین کے خلاف جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ یار لوگ مفتی صاحب کے پیچھے لگے رہے۔ ان سے کہا کہ آپ کا بیان اخبارات میں چھپا ہی نہیں۔ اس لیے اب دوسرا بیان سنسر کے حق میں دینے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ انہیں ایسا چکر دیا گیا کہ ان سے سنسر کے حق میں بیان دلوا دیا گیا۔ راز درون خانہ جاننے والے کہتے ہیں کہ یہ بیان مفتی صاحب کا نہیں ہے محمود اعظم فاروقی کا ہے جو انہوں نے مفتی محمود کے نام سے منسوب کراکے سرکاری خبر رساں ایجنسی سے جاری کرادیا ہے مفتی صاحب کو اس صورتحال پر سخت تشویش ہے

حکومت میں شامل پاکستان قومی اتحاد کی جماعتیں ان کو کوئی ایسا مقام دینے کو تیار نہیں ہیں جس سے انکی پوزیشن سوا سیر ہو سکے۔ آزادی صحافت کا نعرہ لگانے والی حکومت کا بولو رام ہونا شروع ہو گیا ہے اسی لیے تو انہیں یہ پابندیاں لگانے کی سوجھی ہے۔

جنرل ضیاالحق نے اعلان کیا ہے کہ اگر پاکستان قومی اتحاد کی ساری جماعتیں ایک جماعت کے طور پر اکٹھی ہو جائیں تو وہ اقتدار انتخابات کے بغیر ہی ان کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ جنرل ضیا الحق اس سے پہلے انتخابات رچا کر مثبت نتائج کے ذریعے یہ کام کرنا چاہتے تھے اب انہوں نے سوچا کہ جب اقتدار پاکستان قومی اتحاد کے حوالے کرنا ہی ٹھہرا ہے تو پھر تکلف کیا کہ ساری جمہوریت دشمن طاقتیں مارشل لا کے زیر سایہ چین کی بنسی بجا رہی ہیں۔ جنرل ضیاالحق نے اپنی جانب سے یہ ناممکن پیشکش کی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ متضاد جماعتیں اپنی انفرادیت کھو کر اقتدار کے لیے ایک ہو جائیں گی اور انہیں یہ کہنے کا موقعہ ملے گا کہ یہ اقتدار کے لالچی ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ کبھی ایک نہ ہونے والے لوگ ہیں یہاں جنرل ضیاالحق صاحب غلطی پر ہیں۔ جنرل صاحب پاکستان قومی اتحاد میں کچھ افراد ایسے شریک ہیں جو وقت پڑنے پر کوئی بھی بہروپ بھر سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ سب

محمود اعظم فاروقی کی مسلم لیگیوں
اور پیپلز پارٹی والوں میں محاذ آرائی کرانے کی سازش

تاریخ کے مختلف ادوار میں چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر پیدا ہوتے رہے ہیں انہوں نے اپنے اقتدار اور تخت و تاج کی بنیادوں کو انسانی لہو سے مضبوط اور مستحکم بنانے کی کوشش کی لیکن تاریخ کے صفحات میں یہ بات بھی گواہی دے گی کہ ان فاشیوں اور ظالموں کے زوال میں مظلوم انسانوں کی اجتماعی جدوجہد آخری کیل ثابت ہوئی کچھ لوگ تاریخ سے سبق حاصل کرتے ہیں اور اچھے ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں اور جو اپنی نگاہیں پھیر کر اپنی نفسانی خواہشات کی بھٹی میں کود پڑتے ہیں وہ تاریخ کے نئے صفحات میں نئے فرعون، چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر بن جاتے ہیں۔

بلاشبہ جماعت اسلامی اپنے تنظیمی ڈھانچہ افکار و خیالات، نظریات اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے ظالمانہ منصوبوں، حکمت عملیوں اور پالیسیوں کی وجہ سے نئے دور کی انتہا درجہ کی فاشسٹ جماعت کہلانے کی مستحق ہے اس کے افکار و نظریات میں جمہوریت کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کے نزدیک مصلحتاً جھوٹ جائز ہے۔ اس لیے آج تک حصول اقتدار کے لیے جمہوریت، جمہوریت کا راگ الاپتی رہی اس کے اس جھوٹ کا پول اس دن کھل گیا جب فوجی جنتا نے اسے اقتدار میں شرکت کی دعوت دی اور وہ اپنے تمام دعووں اور اعلانات کو پس پشت ڈالتے ہوئے غیر منتخب غیر جمہوری حکومت میں بڑی عجلت کے ساتھ شامل ہو گئی اس کی عجلت پسندی اور جلد بازی سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طور پر اقتدار میں شریک ہونا چاہتی ہے اور اپنے ان منصوبوں پر عمل کرنا چاہتی ہے جن کی تیاری میں عرصہ دراز سے غیر ملکی "برین" سرگرم عمل ہیں۔

اقتدار میں شرکت کے ساتھ ہی جماعت اسلامی اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانے کی سازش میں مصروف ہو چکی ہے چند ہفتہ پیشتر اہل لاہور نے اپنی آنکھوں کے سامنے یہ منظر دیکھا کہ جماعت اسلامی کی ڈنڈا فورس کے کارکن ٹرکوں، بسوں، سوزوکیوں اور اسکوٹروں پر سوار ہو کر بھٹو کو پھانسی دو کے نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر دندناتے گزر گئے۔ عوام کو مرعوب کرنے اور عدالتوں اور قوانین کے وقار سے کھیلنے والے اس ڈرامہ کا سب سے حیرت انگیز پہلو پولیس اور انتظامیہ کی خاموشی اور بے حسی تھی سڑکوں اور چوراہوں پر جگہ جگہ پولیس کھڑی تھی اور جلوس کے چیخنے چنگھاڑنے شرکا کے تحفظ میں مستعد تھی۔ کیا یہ پاکستان میں جماعت اسلامی کی طرف سے خانہ جنگی کا کھلا اور واضح اشارہ نہیں ہے۔ قومی اتحاد کے مفتی محمود چاہے اس سے اتفاق نہ کریں مگر پاکستان کے ہر امن پسند شہری نے دہشت گردی کے اس مارچ پاسٹ پر تشویش کا اظہار کیا۔

پچھلے دنوں جماعت اسلامی کے وزیر اطلاعات اور ڈنڈا فورس کے ڈائریکٹر محمود اعظم فاروقی نے سندھ کے بعض شہروں کا دورہ کیا جس کا بظاہر مقصد وزارت سے تعلق رکھنے والے محکموں کے اسٹاف کو اطلاعات و نشریات کی نئی پالیسیوں سے روشناس کرانا اور قومی اتحاد کے کارکنوں سے ملاقات قرار دیا گیا، مگر حیدرآباد، نواب شاہ شہداد پور اور ٹنڈو آدم کے دورے کے دوران ان کی سرگرمیوں سے متعلق جو حقائق معلوم ہوئے ہیں ان سے یہ راز فاش ہو گیا کہ اندرون سندھ جماعت اسلامی بڑے پیمانے پر فساد کرانے کے منصوبے پر عمل کر رہی ہے جن صاحب نے اس راز سے پردہ اٹھایا ہے وہ لکھتے ہیں۔

یہ لیٹر میں اپنے آفس میں رات کو ساڑھے بارہ بجے لکھ رہا ہوں۔ ابھی ۱۱ بجے وزیر صاحب ریسٹ ہاؤس حیدرآباد پہنچے ہیں مگر جو باتیں میں نے نواب شاہ، شہداد پور، ٹنڈو آدم میں سنیں اور دیکھیں ہیں اس کے بعد مجھے سندھ میں بڑے خون خرابے کا اندیشہ ہے۔ میں پیپلز پارٹی کا معتقد نہیں ہوں بلکہ سائیں پیر پگاڑا کی پارٹی کا ہمدرد ہوں مگر حیثیت سے بس

ایک ہو گئے تو پھر کیا ہوگا؟ ہوگا یہ کہ پھر جنرل ضیاء الحق صاحب مسلم لیگ کے سربراہ بن جائیں گے تاکہ اس ناطے سے ملک میں غیر معینہ مدت کے لئے حکمرانی کر سکیں۔ پھر معرضِ وجود میں آنے والی نئی سیاسی جماعت کے سربراہ ہوں۔

ہم نے پہلے بھی لکھا ہے اور اب پھر لکھ رہے ہیں کہ بنگلہ دیش کے جنرل ضیاء الرحمان جس راستے پر چل رہے ہیں انہی نقشِ پا پر ہمارے جنرل ضیاء الحق صاحب بھی چل رہے ہیں۔ دونوں فوجی ہیں۔ دونوں کا نام ضیاء ہے۔ دونوں ملک میں ایک ہی طریقے سے برسرِ اقتدار آتے ہیں۔ دونوں نے پہلے اپنے اقدامات کی سپریم کورٹ سے اجازت لے لی ہے۔ دونوں نے بعد میں سیاسی جماعتوں کو ساتھ ملایا ہے۔ اب ایک صاحب نے سیاستدانوں کو علیحدہ کر کے اپنی سیاسی جماعت بنا لی ہے۔ دوسرے صاحب بھی یہی کرنے والے ہیں' ایسا کب ہوگا۔ یہ وقت بتائے گا۔

آج کل ریڈیو پاکستان اور ٹی وی والے بڑے مخمصے میں ہیں۔ محمود اعظم فاروقی نے حکم دیا ہے کہ ناچ گانے کا اور موسیقی کا کوئی پروگرام نہ ہو' اشتہارات میں خواتین نہ ہوں۔ ان کی آواز نہ ہو صبح کی نشریات کا اعلان خواتین نہ کریں۔ بچوں کے معروف پروگرام کلیاں کے کردار ہیگا اور انکل سرگم کی داڑھیاں صاف کر دی جائیں۔ خواتین ڈراموں میں حصہ نہ لیں۔ اشتہارات پر پابندی کی وجہ سے ٹی وی کو ایک کروڑ روپے کا نقصان ہو رہا ہے کیونکہ نئے اشتہارات بننے تک موجودہ اشتہارات کی بکنگ نہیں ہو رہی ہے۔ دوسری جانب سکریٹری اطلاعات جنرل مجیب الرحمان کا حکم ہے کہ کوئی ایسی تبدیلی نہ کی جائے جس سے ریڈیو، ٹی وی کو نقصان ہو یا تفریح کا عنصر ختم ہو کر رہ جائے۔ اب لوگ آل انڈیا ریڈیو سنتے ہیں۔ ٹی وی اونے پونے بک رہے ہیں۔ بقولِ شخصے ابھی تو یہ نمونہ ہے اگر جماعت کو خدانخواستہ واقعی اقتدار سونپ دیا گیا تو پھر سارا ملک سائیں سائیں کرنے لگے گا۔ خدا نہ کرے کبھی ایسا ہو۔

ہوا ہے کہ سندھ میں بڑے پیمانے پر فساد کرانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں تو میرا ضمیر بار بار مجھے اس راز سے پردہ اٹھانے پر آمادہ کر رہا ہے میں اس جذبے سے مغلوب ہو کر آپ کو جماعتِ اسلامی کے عزائم سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

ہمارے ملک ملک و قوم کے اس ہمدرد نے جماعت کی سازش سے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں ان میں بتایا گیا ہے کہ جماعت اسلامی کے وزیر محمود اعظم فاروقی نے پبلک جلسے کرنے کے بعد الگ الگ بند کمروں میں جماعت کے خاص آدمیوں سے باتیں کیں اور انہیں بریف کیا کہ عنقریب ایک منصوبے پر عمل کرنے کے لیئے ان شہروں میں جماعت کی طرف سے "بھٹو کو پھانسی دو" کی تحریک شروع کی جائے گی اس موقع پر جلوس نکالے جائیں گے جن کا مقصد پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو مشتعل کر کے جوابی جلوس نکلوانا ہے تاکہ ہنگامے کا جواز پیدا کیا جا سکے۔

جب پیپلز پارٹی والے جلوس نکالیں گے تو جماعت اسلامی کے تربیت یافتہ کارکن ان میں شامل ہو جائیں گے اور پولیس اور فوج سے پ پ کے کارکنوں کا ٹکراؤ کرا دیں گے یہ تربیت یافتہ کارکن خاص طور پر پیر پگارا کے آدمیوں کی دکانوں، مکانوں، مسلم لیگ کے دفاتر کو نذرِ آتش کریں گے۔ جو مسلم لیگ کی جانب سے پیپلز پارٹی کا حملہ تصور کیا جائے گا۔ اس کے جواب میں فوج اور مسلح حُر یقیناً پ پ کے نہتے کارکنوں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنائیں گے۔

پیپلز پارٹی کے ہمدردوں کے روپ میں جماعت اسلامی کے کارکن قیصر بن سومرو کا واقعہ دھرا کر سندھی طالب علموں کی غیرت اور جذبات کو ابھاریں گے اور پھر ان کو حکومت اور فوج کے خلاف اکسایا جائیگا سندھیوں کے جذبات بھڑکا کر ان سے کہا جائے گا کہ وہ نوابشاہ کے پنجابی آبادکاروں کی عورتوں سے انتقام لیں، منصوبہ کے اس حصہ پر عمل کرنے سے پورے سندھ میں سندھی پنجابی، فوج اور پولیس کے درمیان قتل و غارتگری کا بازار گرم ہو جائے گا جس کا لازمی اثر پنجاب پر پڑے گا۔

پولیس اور انتظامی عہدوں سے سندھیوں اور پی پی کے حمایتیوں کو ہٹانے اور ان کے تبادلے کے لیئے حکومت کو اطلاع دیں۔ پولیس اور فوج کے ذریعہ پی پی کے حمایتیوں کو گرفتار کرائیں خفیہ طور پر جماعت اسلامی کے کارکن ریل کی پٹریوں، پلوں، تار اور ٹیلیفون کے تاروں کو نقصان پہنچائیں گے لیکن اسکا الزام پیپلز پارٹی کے کارکنوں پر ڈال کر ان کو گرفتار کرایا جائے مگر یہ کام انتہائی خفیہ اور رازداری سے ہونا چاہیئے۔

جماعت اسلامی کے آدمیوں کو خفیہ طور پر اسلحہ دیا جائے گا۔ یا پھر پیر پگارا کے حروں کی طرح پولیس اور فوج کی وردی دی جائے گی۔ تاکہ جماعت کے آدمی آزادی سے دشمنوں کو ٹھکانے لگا سکیں۔ ماہرین جماعت کے کارکنوں کو خود کار اسلحہ کی تربیت بھی دیں گے۔

جماعت اسلامی پی پی کی طرف سے حکومت اور مسلح افواج کے خلاف پمفلٹ تیار کرا کر شہروں میں بھیجنے کا انتظام کرے گی جس میں سول نافرمانی' فوج اور حکومت کے خلاف اکسانے والی باتیں ہوں گی اس کے بعد پی پی کے بڑے رہنماؤں اور عہدیداروں کے مکانوں سے ہتھیار اور بارود کا ذخیرہ برآمد کیا جائے گا۔ تاکہ پی پی پر پابندی لگائی جا سکے۔

اقتدار میں شرکت کے بعد جماعت کے رہنماؤں کے تیور بدل چکے ہیں۔ ان کے بیانات اور اعلانات سے خانہ جنگی کا خطرہ تیزی سے منڈلانے لگا ہے علاوہ ازیں جماعت اسلامی اقتدار کے حصول کی راہ میں سب کچھ جائز تصور کرتی ہے اس کے نزدیک خانہ جنگی کی صورت میں انسانوں کی ہلاکت کوئی معنی نہیں رکھتی سابقہ مشرقی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش کی مثال ہمارے سامنے ہے جماعت اسلامی نے وہاں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کی خاطر البدر اور الشمس کے مسلح کارکنوں کے ذریعہ جس طرح بنگالی دانشوروں کا قتلِ عام کیا ہے۔ اس کے واقعات ابھی اتنے تازہ ہیں کہ یاد کر کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں عوام کو چاہیئے کہ وہ جماعت اسلامی کی عوام سے عوام کو لڑانے اور بڑے پیمانے پر کشت و خون کی اس سازش کو اپنے مضبوط اور غیر متزلزل اتحاد سے ناکام بنا دیں۔

فیضی کی ڈائری

ووٹروں کا اندراج اور حلقے بندیاں

الیکشن کمیشن نہیں جماعت اسلامی کر رہی ہے

نئی حلقہ بندیوں سے سب سے زیادہ نقصان جمعیت العلمائے پاکستان کو ہوگا

شہری علاقے جماعت اسلامی اور دیہی علاقے مسلم لیگ کے حوالے کر دیئے گئے

بھٹو حکومت کے خلاف پی این اے نے مارچ ۱۹۷۷ء میں جو تحریک چلائی تھی، اس کا جواز یہ پیش کیا گیا تھا کہ پیپلز پارٹی نے الیکشن میں دھاندلیاں کی تھیں۔ اس الزام میں کتنی صداقت تھی۔ اس کا فیصلہ تو تاریخ ہی کرے گی لیکن مارشل لا انتظامیہ نے مجوزہ الیکشن کے لئے جو تیاریاں شروع کی ہیں، جس طرح ووٹروں کا اندراج کیا جا رہا ہے اور حلقہ بندیوں کا پلان تیار کیا گیا ہے۔ ان سب کو انتہائی صیغۂ راز میں رکھا جا رہا ہے۔

انتہائی باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ الیکشن کمیشن کو انتخابات کی تیاریوں میں دکھاوے کے طور پر ملوث کیا گیا ہے۔ اصل کام کچھ "خفیہ" ہاتھ کر رہے ہیں۔ تاکہ "مثبت نتائج" برآمد ہو سکیں الیکشن کمیشن کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اسے سارا کام "ریڈی میڈ" مل رہا ہے۔ اور الیکشن کمشن خواہ مخواہ کی زحمت سے بچ گیا ہے۔

باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سندھ میں ووٹروں کی فہرستوں اور حلقہ بندی کے لئے ہر شہر تعلقے اور ضلع کی سطح پر خفیہ سیل بنائے گئے ہیں، جن کے انچارج مختلف شہروں کے جماعت اسلامی کے امیروں کو بنایا گیا ہے۔ مسلم لیگ کے بھی چند نمائندوں کو شامل کیا گیا ہے۔ لیکن اکثریت جماعت اسلامی والوں کی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے مابین خفیہ سمجھوتہ ہو گیا ہے کہ شہروں میں ووٹروں کا اندراج اور حلقہ بندی جماعت اسلامی کے مشورے سے کی جائے گی اور دیہی علاقوں میں مسلم لیگ کے مشورے پر عمل کیا جائے گا۔ اور اس کے وڈیروں کے مفادات کو مدنظر رکھا جائے گا۔ اس منصوبے کا نتیجہ یہ نکلا ہے، کہ الیکشن کمیشن نے سندھ کے شہری علاقوں میں ووٹروں کی فہرستوں اور حلقے بندیوں کے لئے جن اساتذہ اور دیگر اسٹاف کو مقرر کیا ہے۔ ان کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے یا ان کے ناموں کی سفارش جماعت اسلامی کے امیروں نے کی ہے۔ اسی طرح دیہی علاقوں میں مسلم لیگی وڈیروں کے پسندیدہ اور نامزد افراد کو مقرر کیا گیا ہے۔

ووٹروں کی رجسٹریشن اور حلقہ بندیوں سے جماعت اسلامی کی گہری دلچسپی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ الیکشن کمیشن کی جانب سے حلقہ بندی کا مرحلہ ابھی شروع نہیں ہوا لیکن جماعت اسلامی کے "ماہرین" نے یہ کام مکمل کر لیا ہے۔ اور حلقہ بندیوں کے نقشے اور اپنی تجاویز کمشن کو بھیج دیں۔ بتایا جاتا ہے کہ الیکشن کمیشن نے جماعت اسلامی کی تجویز کردہ حلقہ بندیوں کے بارے میں ڈپٹی کمشنروں سے رائے مانگی ہے۔ توی امکان ہے کہ ڈپٹی کمشنر جماعت اسلامی کے پلان کو حرف بہ حرف منظور کرنے کی سفارش کر دیں گے۔ کیونکہ جماعت اسلامی نے یہ پلان ڈپٹی کمشنروں اور ان کے اسٹاف کے مکمل تعاون سے بنایا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ الیکشن آفیسرز کی حیثیت محض "پوسٹ مین" کی ہوتی ہے۔ سارا کام ڈپٹی کمشنر اور ان کا عملہ کرتا ہے۔

سیاسی مبصرین نے جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے مذکورہ بالا منصوبے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس منصوبے پر عمل ہونے سے سب سے زیادہ نقصان جمعیت العلمائے پاکستان کو ہوگا۔ اور سب سے زیادہ فائدہ جماعت اسلامی اٹھائے گی۔ اور اس طرح وہ مولانا نورانی سے ۱۹۷۰ء کی شکست کا بدلہ لے گی۔

درحقیقت مارشل لا حکام نے جداگانہ انتخابات کے طریقۂ کار کو نافذ کر کے ووٹروں کی نئی فہرستوں اور حلقہ بندیوں کا جواز پیدا کیا۔ جس کی جمعیت العلمائے پاکستان نے بھی بڑھ چڑھ کر حمایت کی۔ مگر اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی جو مارشل لا کابینہ میں شامل ہے، جداگانہ طریقۂ انتخاب کی آڑ میں ووٹروں کی نئی فہرستوں اور حلقہ بندیوں کو جمعیت العلمائے پاکستان کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ جماعت اسلامی نے جس طرح حلقہ بندیاں کرنے کی تجویز پیش کی ہے اس کے تحت سندھ کے شہری علاقوں سے جماعت اسلامی کے امیدوار زیادہ سے زیادہ منتخب ہو جائیں گے۔ حالانکہ ان علاقوں میں جمعیت العلمائے پاکستان کا اثر زیادہ ہے۔

سیاسی مبصرین کے مطابق اس منصوبے پر عمل درآمد کی صورت میں مسلم لیگ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی پیپلز پارٹی کی صحت پر کوئی اثر پڑے گا۔ کیونکہ سندھ کے دیہی علاقوں میں پیپلز پارٹی کو اتنی زبردست عوامی حمایت حاصل ہے کہ مسلم لیگی ووٹروں کا رجسٹریشن اور حلقہ بندیاں خواہ کسی طریقے سے کرائیں۔ تب بھی مسلم لیگ کے بڑے بڑے وڈیرے، پیپلز پارٹی کے ایک عام کارکن کے مقابلے میں ہار جائیں گے۔

بھٹو سے خفیہ
مصالحتی کوششیں ناکام ہو گئیں

ٹائشین کو ٹکا سا جواب، میں آلہ کار نہیں بن سکتا

انڈین یونین مسلم لیگ کے ترجمان ہفت روزہ "مستقیم" مدراس نے اپنی ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی اشاعت میں انکشاف کیا ہے کہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے صدر مملکت کا عہدہ سنبھالنے کا فیصلہ اس وقت کیا جب اُن کے اور معزول وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان خفیہ برطانوی ٹائشین کی معرفت ہونے والی گفتگو ناکام ہوگئی۔ ان خفیہ مذاکرات کی ناکامی کے بعد جنرل ضیاء الحق کو اپنا اقتدار خطرے میں نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے بھٹو کی طرف سے متوقع خطرے کے تدارک کے لئے صدر فضل الٰہی چودھری کو عہدۂ صدارت سے رخصت کر دیا۔

ہفت روزہ "مستقیم" لکھتا ہے کہ "ان (برطانیہ اور امریکہ) کی نظر میں جنرل ضیاء کی کمزوری یہ تھی کہ وہ بھٹو سے خائف ہیں۔ اس لئے انہیں بہر حال پھانسی ضرور دلوائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے جنرل کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا اور بھٹو کی پھانسی کی مخالفت شروع کر دی۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان طاقتوں نے بھٹو اور جنرل ضیاء کے درمیان مصالحت کرانے کی پیشکش بھی کی۔ جسے طرفین نے قبول کر لیا۔"

اس ہفت روزے کے مطابق ٹائشین نے بھٹو اور جنرل ضیاء کے مابین مصالحت کرانے کے لئے تین نکاتی فارمولا ترتیب دیا۔ جس کی پہلی شرط یہ تھی کہ اگر بھٹو برسر اقتدار آ گئے تو وہ جنرل ضیاء سے انتقام نہیں لیں گے۔ دوسرے وہ فرانس سے اُس مجوزہ ایٹمی ری ایکٹر (ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ) کی خریداری سے بھی دست بردار ہو جائیں گے جس کے سبب برطانیہ اور امریکہ کی سیاسی ٹھیکیداری اور ساکھ کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

"مستقیم" آگے چل کر لکھتا ہے کہ "خود دار، دانش مند، مفکر، اور دُور اندیش سابق وزیر اعظم بھٹو نے ان تجاویز کو حقارت سے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں اپنی قوم سے غداری نہیں کر سکتا اور میں اس کے لئے غاصبوں اور ظالموں کے سامنے جھکنے پر موت کو ترجیح دوں گا۔" مسٹر بھٹو کے اس جواب کے بعد جنرل ضیاء نے صدر مملکت کا عہدہ سنبھال لیا۔

مذکورہ ہفت روزہ لکھتا ہے کہ "عوام میں جنرل ضیاء کے اس رویئے (صدر مملکت بننے) کا قطعی مختلف اثر ہوا۔ عوام نے بھٹو کے حق میں آوازیں

بلند کرنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ عوام میں بھٹو کی اس دستاویز کی اشاعت کا بھی بہت اثر ہوا۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ۔

" برطانیہ اور امریکہ کی نظروں میں میرا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ میں پاکستان کو اسلامی ملک کی حیثیت سے بلند کرنا چاہتا تھا کہ ایسے میں جب کہ روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس سمیت بیشتر ممالک ایٹمی آلات اور ہتھیاروں سے آراستہ ہیں۔ اسلامی ممالک بھی اس سے لیس ہو جائیں۔ پاکستان کے لئے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ خریدنے کا منصوبہ اس سلسلے کی پہلی کڑی تھا۔ جو ظاہر ہے کہ اُن مغربی ممالک کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ جن کی بدولت آج میں زندان موت میں قید ہوں۔ اگر آج میں باہر ہوتا تو پاکستان بہت پہلے ایٹمی طاقتوں میں شمار کر لیا گیا ہوتا۔"

"مستقیم" کے مطابق "جنرل ضیاء، بھٹو کے اس جواب سے نا امید ہو کر سختی پر اُتر آئے ہیں جب کہ دوسری طرف بھٹو کے موافقین میں اتنی اخلاقی جرأت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ لاٹھی، گولی اور بندوقوں سے بے خوف ہو کر جنرل کے خلاف اور بھٹو کے حق میں نعرے بلند کر رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے کچھ بڑے لیڈر گرفتار بھی کر لئے گئے ہیں اور مارشل لا میں مزید سختی پیدا کر دی گئی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اگر ایک طرف بھٹو نے ٹائشین کو ٹکا سا جواب دے کر ان کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا تو دوسری جانب پاکستانی عوام کو اپنی سچی محبت اور دیانتداری کا یقین بھی دلا دیا اور یہی وجہ ہے کہ عوام اتنے عرصے مارشل لا کے تحت رہنے کے باوجود بھی بھٹو کی حمایت سے دستبردار نہیں ہو سکے ہیں۔"

فار ایسٹرن اکنامک ریویو
۲۰- اکتوبر ۱۹۷۸ء

جنرل ضیا کیلئے طیارے کی اندرونی آرائش پر ۵ء۷ لاکھ روپے خرچ کئے گئے

عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے کوڑوں پر انحصار کیا جا رہا ہے

ایسے وقت میں جب کہ سپریم کورٹ اگلے چند ہفتوں میں سابق وزیرِ اعظم بھٹو کو ایک ماتحت عدالت کی طرف سے دی جانے والی سزائے موت کے بارے میں فیصلہ کرنے والی ہے، ابھی سے ایسی علامات ظاہر ہو رہی ہیں کہ اگر فیصلہ ان کے خلاف گیا تو وسیع پیمانے پر گڑبڑ ہوگی۔ صدر ضیاالحق پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ اگر سزا کی توثیق ہوگئی تو وہ سابق وزیرِ اعظم کو پھانسی دے دیں گے ساتھ ہی ساتھ بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی کے کئی حامیوں نے عہد کیا ہے کہ وہ اپنے لیڈر کو بچانے کے لئے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔

بھٹو کی بیٹی بے نظیر نے اس ماہ کے شروع میں اپنی گرفتاری سے پہلے کے چند ہفتوں میں پیپلز پارٹی کے عہدیداروں کے اجلاسوں میں "بھٹو کو آزاد کرو، پاکستان کو آزاد کرو" کو اپنی تقریروں کا بنیادی موضوع بنایا؟ ان کی پذیرائی ڈرامائی تھی۔ ضیا کی فوجی حکومت کو متحرک کرنے کی بظاہر ناکام کوشش میں مختلف مظاہروں میں تقریباً آدھے درجن افراد نے خود کو جلا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ ایک آدمی خود سوزی سے ہلاک ہوگیا۔ چار دوسرے ہسپتال کی مخدوش حالت کی فہرست میں شامل ہیں (ان میں دو اور بعد میں ہلاک ہوگئے۔ ادارہ)

بہرحال ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بڑھتے ہوئے سیاسی تشدد کی ذمہ داری جتنی پی پی پی پر ڈالی جا سکتی ہے اتنی ہی ذمہ داری جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد ملک کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کی طرف حکومت کے غلط رویے پر بھی ڈالی جاسکتی ہے، عامی تفریحات پر پابندیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، رہی اقتصادی صورتِ حال تو وہ عام آدمی کے بجٹ پر ناقابلِ برداشت بوجھ بنتی جا رہی ہے۔ اور عوام کو قابو میں رکھنے کے لئے کوڑوں پر انحصار کیا جا رہا ہے۔ ان سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ ایک نئے اسلامی نظام کے نفاذ کا وعدہ ان لوگوں کے درمیان بھی کشش کھوتا جا رہا ہے جو ابتدا میں اس کے پُرجوش حامی تھے۔

حکومت کے غلط اندازوں سے فائدہ اٹھانے میں بھی پی پی پی تیز ثابت ہوئی۔ وہ حکومت کے غیر پیداواری اخراجات میں اضافے، جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی، کی طرف توجہ دلاتی رہی ہے۔ اور اس کا موازنہ جنتا کے رہنما کے ہمہ گیر کفایت شعاری کے دعووں سے کرتی رہی ہے۔ پی پی پی ایسی باتوں کو اپنے دلائل کی بنیاد بناتی ہے جیسے کہ ضیا کے لئے ایک بوئنگ ہوائی جہاز کی خریداری اور اس کی اندرونی آرائش پر ۷،۵۰،۰۰۰ امریکی ڈالر کے اخراجات۔ بیوروکریٹس کے لئے کاروں اور ریفریجریٹروں کی خریداری اور بیوروکریٹس کی غیر ممالک میں چھٹیاں، پچھلی حکومت کی کسی بھی وقت چھاپی ہوئی کاغذی کرنسی سے دگنی کاغذی کرنسی چھاپنے کی وضاحت کے لئے ان چھوٹی باتوں کے علاوہ ایک موزوں اقتصادی دائرے کی بڑے پیمانے پر غیر موجودگی کا ذکر ضروری ہے لیکن اُجرتوں کا مطالبہ کرنے والے مزدوروں، اور ٹریڈ یونین رہنماؤں کو کوڑے لگانے کے تناظر میں یہ چھوٹی باتیں بڑی وجہ اشتعال بن جاتی ہیں۔

متحدہ انتخابی فہرستوں سے مذہبی اقلیتوں کے اخراج نے بنیادی نوعیت کے سیاسی تنازعات کھڑے کر دیئے ہیں اور عوامی حمایت کے نکتہ نظر سے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ مسلم اکثریت میں بھی کھنچاؤ ہے۔ شیعہ فرقہ اس سرکاری فیصلے پر ناراض ہوا ہے کہ شیعہ بچوں کو سُنی طلبا کے ساتھ مشترک دینیات پڑھنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اسلام کے بنیادی اصولوں کے بارے میں شیعہ فرقہ ایک علیحدہ تصور رکھتا ہے اور سُنی مسلمانوں سے مختلف مذہبی طور طریقے رکھتا ہے۔ اس نے سابقہ حکومت کے تحت خود اپنی دینیات پڑھنے کا حق حاصل کیا تھا۔

اکثریتی سُنی فرقے کے اندر اس کے بریلوی اور دیوبندی مسلکوں کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی ہے۔ موجودہ کابینہ پر دیوبندی مسلک کا غلبہ ہے۔ جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے وہ سرکار کے زیرِ انتظام مساجد سے بریلوی طور طریقوں کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کو متعارف کرانے میں مدد دینے کے لئے شاہ خالد کے مذہبی مشیر کی درآمد نے شیعہ اور بریلوی سُنی فرقوں کو ناراض کیا ہے کیونکہ سعودی جن کا تعلق وہابی مسلک سے ہے، دینی اعتبار سے دیوبندی فرقے سے قریب ہیں۔ دوسرے مکاتیبِ فکر کی نمائندگی کرنے والے مشیروں کی درآمد کے مطالبے کو تاحال نظر انداز کیا گیا ہے۔

ناراضگی کی بڑی عمومی وجہ حکومت پر تنقید کرنے والوں کے خلاف امتیازی سیاسی برتاؤ ہے۔ پاکستان قومی اتحاد (پی این اے)، اکثر سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندیوں کو نظر انداز کرتا ہے اور کوئی جوابی اقدام نہیں ہوتا جب کہ دوسروں کو اس سے کم پر بھی شدید

سزا دی جاتی ہے۔

پی پی پی کے عہدیداروں سے ملاقات کے لئے بے نظیر کے دورے میں ان تمام باتوں نے پشت پناہی کا کام دیا۔ شمال مغربی صوبہ سرحد میں پُرجوش پذیرائی کے بعد انہوں نے ملتان کے ہوائی اڈے پر پہنچنے پر گرفتاری سے قبل پنجاب کے تین شہروں کا دورہ کیا۔ ان کی کھلی گفتگو نے راولپنڈی میں محتاط احتجاج کو شہہ دی جس نے روزانہ دو افراد کے نعرے لگا کر مارشل لاء کی خلاف ورزی کی صورت اختیار کی۔

حکومت نے سخت جوابی کارروائی کی۔ ایک مرحلے پر کوڑوں کی اس سزا کو دگنا کر دیا گیا جو اس قسم کے معاملات میں عام طور پر دی جاتی ہے۔ یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ پی پی پی نے مردوں سے زیادہ عورتوں کو میدان میں اتارا کیونکہ ابھی تک عورتوں کو کوڑوں کی سزا نہیں دی گئی ہے۔

احتجاج نے اس وقت ایک شدید نوعیت کی کروٹ بدلی جب دو افراد نے یہ اعلان کیا کہ وہ راولپنڈی میں ایک عام چوک پر خود کو جلائیں گے، انہوں نے اسی طرح اپنی دھمکی پر عمل کیا اور جب تک پولیس اور ناظرین اس صدمے سے چونکتے ان میں ایک آدمی بُری طرح جُھلس چکا تھا۔ اگلے دن اسی طرح کا ایک واقعہ لاہور میں ہوا۔ اس واقعے میں وہ شخص جو صلیب اٹھائے ہوئے تھا اور بہ آوازِ بلند یسوع مسیح کے الفاظ دہرا رہا تھا "اے خدا، اے خدا، تو نے میرا ساتھ کیوں چھوڑ دیا"۔ بچایا نہ جا سکا۔

سکھر اور راولپنڈی میں دو اور واقعات ہوئے سکھر کے واقعے کے بعد ۸ اکتوبر کو ایک غیر قانونی جماعت نے اعلان کیا کہ اس کے اراکین اندرونِ ملک پروازوں کے دوران خود کو جلا کر ہلاک کر لیں گے۔

بے نظیر بھٹو کی گرفتاری کے چند گھنٹوں بعد ملتان پی پی پی کے ۲۵ رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ جن میں سیکریٹری غلام حسین اور فاروق لغاری شامل ہیں۔

■

سیاسی اقلیتی جماعت کی بالادستی

صوبائی حکومتوں کی تشکیل سے انکار کے باوجود این ڈی پی سے مذاکرات

جنرل محمد ضیاء الحق نے بالآخر برملا یہ اعلان کر ہی دیا کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کریں گے۔ یہ اعلان بڑی دیر سے متوقع تھا۔ اور سیاسی حلقے اس تاخیر پر حیرت کا اظہار بھی کر رہے تھے کہ جنرل ضیاء کی پہلی تقریر چھوڑ کر جو انہوں نے ایک غیر جانبدار ریفری کی حیثیت میں کی تھی۔ بعد کی ساری تقریریں سرگرمیاں اقدامات اور اعلانات "اقلیتوں" کے نہ صرف تحفظ کے لئے تھے بلکہ عملی طور پر انہوں نے ملک کی اکثریت پر اقلیت کہ جماعت اسلامی مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ایک انتہائی اقلیت ہے کا تسلط بھی قائم کرنے میں نہ صرف غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ تمام تر اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا۔

جنرل ضیاء الحق ان دنوں پشاور کا دورہ کر رہے ہیں۔ ان کے دورے میں وہ زندگی تو دیکھنے کو نہیں مل سکتی، وہ والہانہ انداز تو مفقود رہا جو سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دورے کا خاصا تھی لیکن امیدواران وزارت اور موقع پرست دُم ہلانے والے سیاستدانوں نے پوری طرح جنرل ضیاء کو وہ حالات مہیا کئے جن میں ذوالفقار علی بھٹو پراٹوکول کی پابندیوں کو تج کر عوامی بن جایا کرتے تھے۔ بات صرف اتنی مختلف تھی کہ بھٹو کے لئے عوام کا بے پایاں خلوص ہوتا تھا، جب کہ جنرل ضیاء کے لئے عوام کو آنے کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ خود کہتے کہ عوام کے نمائندے نہیں بلکہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے آئے ہیں اور ان کی ذمہ داریوں میں بڑی ذمہ داری بھی اقلیت کا اکثریت پر تسلط ہے۔ اور دیکھئے کہ کیا واقعی تاریخ کا پہیہ اُلٹا گھوم سکتا ہے۔ کہ یہ انسانی تاریخ کا ایک بڑا عبرتناک پہلو ہوگا۔ اور شاید پاکستان کی اکثریت یعنی عوام کے لئے قابلِ قبول نہ ہو۔

جنرل ضیاء نے نوابزادہ نصر اللہ اور مفتی محمود کو صوبائی حکومتوں کی تشکیل کے بارے میں ٹکا سا

جواب دے دیا ہے۔ سیاسی حلقوں کا کہنا ہے کہ ملکی حالات جس تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ اور حکومت کی گرفت سے باہر ہوتے جا رہے ہیں اور حکومت کوئی نیا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں جس انداز سے چور دروازے سے اقتدار میں شامل وزراء کو عوامی لعن طعن کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس نے صوبائی حکومت کی تشکیل کی ساری راہیں مسدود کر دی ہیں۔ اور دونوں رہنماؤں جو بار بار اپنے لیڈروں اور کارکنوں سے جنہوں نے نئی شیروانیاں تیار کر رکھی ہیں۔ یہ وعدہ کرتے آتے ہیں، اب کہ صوبائی حکومت کی تشکیل کی اجازت لے کر ہی آئیں گے، لیکن صورت حال یہ بن گئی ہے کہ ملک معاشی اور سیاسی اعتبار سے انتشار اور تشکیک کی آخری حدیں چھو رہا ہے۔ جنرل ضیاء اب کوئی نیا کھیل کھیلنا پسند نہیں کریں گے۔ چنانچہ اقتدار کے بھوکے اور کسی بھی اخلاقی سیاسی اقدار سے خالی لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ملک کس کروٹ پر ہے انہیں اقتدار چاہیئے جنرل ضیاء کا مسئلہ ان سے مختلف ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی ذمہ داریاں اقتدار کے بھوکے لوگوں کی ساری خواہشوں کی تکمیل پوری کرنے میں حائل ہیں چنانچہ بار بار کے مطالبے کے جواب میں میں بالآخر جنرل ضیاء نے انہیں کہہ دیا کہ جو مل گیا ہے اس پر قناعت کر کے اگلا قدم یعنی ان کے اقتدار کی طوالت کے لئے سوچیں اور بلدیات کے انتخابات کی تیاری کریں۔ سیاسی حلقے اس صورت حال کو مفتی محمود اور نصراللہ خان کی شدید مایوسی سے تعبیر کر رہے ہیں۔ چنانچہ در پردہ اور نجی محفلوں میں دونوں لیڈروں نے مارشل لاء کے خلاف زہر سرائی شروع کر دی ہے۔ دیکھئے کب کھل کر یہ سامنے آتے ہیں۔

بلوچستان کے بعد اب سرحد کی سابق نیپ قیادت اور حکومت کے مابین مذاکرات کی خبریں افواہوں کی صورت باہر آنا شروع ہو گئی ہیں۔ کچھ دنوں پہلے یہ خبر باوثوق ذرائع کے حوالے سے کہی جا رہی تھی کہ آئندہ چند ہفتوں میں بیگم ولی خان سرحد کے وزیر اعلیٰ کا حلف اٹھا لیں گی۔ لیکن اب جنرل ضیاء نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ صوبائی حکومتیں نہیں بن جائیں گی۔ مگر سیاسی حلقے اس کے باوجود اس بیان کو اسی حوالے سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ ماضی میں جس بات کی نفی کی گئی اسے ہی عملی کسوٹی پر پرکھا گیا۔ اتحاد کے قریبی حلقوں کے مطابق پچھلے دنوں اتحاد کے سربراہ نے حکومت اور صحافیوں کے درمیان مصالحت کی پیشکش کی تو اسے در خور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح انہوں نے جنرل ضیاء سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا، تو انہیں جنرل ضیاء کی مصروفیات کے سبب ملاقات کو ناممکن بنایا گیا، جب کہ اسی شب کور کمانڈر سے نوابزادہ نصراللہ کو طلب کر کے دو گھنٹے تک طویل گفتگو کی گئی۔ اسی طرح اب نوابزادہ اور مفتی صاحبان کو ٹکا سا جواب دینے کے بعد آخر نیپ این ڈی پی سے مذاکرات کو سیاست کے کن خانوں میں فٹ کیا جا سکتا ہے۔ مفتی محمود سے صاف انکار کرنے کے بعد کیا عنقریب ہی سرحد کی حکومت بننے والی ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو سرحد کے سیاسی حلقوں میں گشت کر رہا ہے اور این ڈی پی کے لوگوں کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کو بھی معنی خیز قرار دیا جا رہا ہے۔ ان مذاکرات میں کون کون شریک ہے اور کون کون سے مسائل زیر بحث ہیں، اگر ابھی تک سامنے نہیں آتے، لیکن سیاسی حلقے اسے کسی بڑے اعلان کا پیش خیمہ قرار دے رہے ہیں۔

بے نظیر بھٹو کی آمد پر جب پشاور کے ہزاروں عوام سڑکوں پر نکل آئے تو سرحد کی انتظامیہ ان کارکنوں کی گرفتاری پر اتر آئی، جن کا ذرا بھی اثر ہو سکتا تھا۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے، جن پر ابھی تک حکومت کے ہاتھ نہیں پہنچ سکے تھے۔ ان میں سرحد کے ممتاز رہنما قمر عباس ایڈووکیٹ اور امداد حسین شاہ شامل تھے۔ گزشتہ روز میٹرو سینما کے سامنے ہزاروں لوگ جمع تھے۔ دور دور تک سروں کا جنگل اگ آیا تھا۔ ایک جوش ایک جذبے کا بے پایاں سمندر بہہ رہا تھا۔ پولیس کی گاڑیاں، لاٹھیاں اور بندوقیں بے چین اور نظریں گھبرائی ہوئی تھیں، کہ اچانک ایک ویگن سے دو نوجوان اترے، ان کے ہاتھوں میں سرخ رنگ کی چادریں تھیں۔ انہوں نے ہوا میں لہرائیں اور جیئے بھٹو کا نعرہ بلند کیا۔ جواب میں ہزاروں آوازیں بیک آواز صدا جیئے کے ساتھ ابھریں۔ دونوں نوجوان آہستہ آہستہ پولیس وین کی طرف بڑھے اور نعروں کے درمیان خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا یہ دونوں نوجوان قمر عباس ایڈووکیٹ اور امداد حسین شاہ تھے جن کی تلاش میں پولیس ہر امکانی جگہ چھاپے مار رہی تھی۔ ان کے گھر والوں اور رشتہ داروں کو پریشان کر رہی تھی لیکن دونوں ابھی تک پولیس کی دسترس سے باہر تھے۔ اور آج اچانک دونوں نے گرفتاری پیش کر دی۔

قمر عباس اور امداد حسین شاہ کی گرفتاری کے بعد انہیں ملٹری سمری کورٹ میں پیش کیا گیا جہاں انہیں چھ ماہ قید اور پانچ پانچ کوڑوں کی سزا سنائی گئی

---

۵ اکتوبر یوم احتجاج کا دن تھا۔ اس دن حکومت کی پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے پوری طرح چوکس تھے۔ ہر طرف خوف و ہراس کی فضا قائم کر دی گئی تھی۔ پولیس اور دوسری ایجنسیوں کے علاوہ جماعت اسلامی کی لٹھ بردار فورس بھی میدان میں اتر آئی تھی کیونکہ پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن اور پختون سٹوڈنٹ فیڈریشن پروگریسو نے احتجاج کا اعلان کیا تھا۔

وقت مقررہ پر اتنی بڑی تعداد میں طلباء ہال میں جمع ہو گئے تھے کہ نہ تو قانون نافذ کرنے والے ادارے ہی آگے آئے اور نہ ہی جماعت کے غنڈہ عناصر آگے بڑھ سکے۔ دونوں تنظیموں نے بڑے دھوم دھڑکے سے جلسہ منعقد کیا۔ جلوس نکالا اور نعرے لگائے جلسے سے پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن یونیورسٹی کے صدر عبداللہ یوسف زئی، پختون کے اسداللہ آفریدی، اعظم خان آفریدی، تاج امر اور عزیز داؤد کے علاوہ بہت سے دوسرے طلباء نے خطاب کیا۔

دوسرے روز طلباء نے اپنے مطالبات کے سلسلے میں مظاہرہ جاری رکھا۔ کلاسوں اور امتحانات کا بائیکاٹ جاری رکھا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور طلباء کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت تک یہ ختم نہیں کریں گے۔ جب تک کہ ان کے مطالبات پورے نہیں ہو جاتے۔

یونیورسٹی اس وقت سرخ رنگ کے بینروں اور جھنڈوں سے سجی ہوئی ہے اور جا بجا بڑے دلچسپ نعرے آویزاں ہیں۔

رجعت پسند جماعتوں کے سیاسی سفر کا آخری جنکشن

جناب مسعود الحسن قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے فارغ التحصیل ہیں۔ انہوں نے پاکستان اسٹڈیز میں ایم ایس سی اول پوزیشن کے ساتھ کیا ہے اور بین الاقوامی تعلقات کے مضمون میں اسپیشلائز کیا ہے زیر نظر مضمون "پاکستان کا سیاسی بحران" یونیورسٹی میں لکھے گئے ان کے ایک تحقیقی مقالے PAKISTAN FOREIGN POLICY AFTER 5TH, JULY's COUP DA'TA (پاکستان کی خارجہ پالیسی ۵ جولائی کی بغاوت کے بعد) کا اردو ترجمہ ہے جس میں انہوں نے کچھ ترمیمات اور اضافے بھی کئے (ادارہ)

پاکستان میں تیسرے مارشل لاء کے نزول کو چودہ ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ گذشتہ برس ۵ جولائی کی نصف شب کو ملک کی پہلی آئینی، جمہوری اور بالغ رائے دہی کی بنیادوں پر منتخب حکومت کا تختہ مسلح افواج نے الٹ دیا تھا۔ جس کے پیشوا بری فوج کے چیف آف اسٹاف جنرل محمد ضیاء الحق تھے۔

قوم کے نام اپنی پہلی نشری تقریر میں جنرل موصوف نے بڑے واضح الفاظ میں اپنے اس پختہ یقین اور مصمم ارادے کا اظہار کیا کہ:۔

(۱) ان کے نزدیک اس آپریشن کا واحد مقصد دونوں متحارب گروپوں (پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد) کی محاذ آرائی اور کشمکش کو ختم کرنا ہے۔

(۲) مسلح افواج کا اولین مقصد نوے دنوں کے اندر انتخابات کرانا اور ملک کو دوبارہ جمہوری راستے پر ڈالنا ہے۔

(۳) موجودہ عبوری انتظامیہ کسی سیاسی جماعت یا سیاستدان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گی بلکہ یہ کام آنیوالی منتخب حکومت کا ہے۔

ان باتوں کے علاوہ جنرل صاحب نے ان اذہان کا ازالہ بھی کیا جو مسلح افواج کی ماضی کی روایات کے پیشِ نظر اس خدشے کو محسوس کرنے لگے تھے کہ شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ (جنرل ضیاء الحق) اپنے کہے کی پاسداری نہ کر سکیں۔ جبکہ جنرل ضیاء الحق نے اپنے اس پختہ عزم کا اظہار نہ صرف قوم کے نام خطاب میں بلکہ بے شمار غیر ملکی جرائد اور نیوز ایجنسیوں کو انٹرویو دیتے ہوئے بھی کیا۔ اگرچہ ایک موقع پر جب ایک غیر ملکی

عوامی طاقت کے مظاہرے کو "مثبت نتائج" کے منافی سمجھا گیا

اخباری نمائندے نے بار بار ان سے اس بات پر استفسار کیا کہ واقعی عام انتخابات ۱۸؍اکتوبر ۱۹۷۷ء کی مجوزہ تاریخ کو کرا دیئے جائیں گے؟ تو جنرل صاحب نے بڑے کھرے اور ٹھیٹ فوجی انداز میں اسے جواب دیا تھا کہ

"آپ یہ سوال ۱۹؍اکتوبر ۱۹۷۷ء کو مجھ سے آکر پوچھیئے گا"

ان کے اس پرعزم اور بار بار اعادے کے باعث بیرون ملک اور اندرون ملک غالب اکثریت نے یہ تاثر لیا کہ فی الحقیقت جنرل محمد ضیاء الحق اپنے دیگر فوجی پیش روؤں کے برعکس ملک میں جمہوریت کی بحالی اور فوجوں کی جلد بارکوں کو واپسی کے تہہ دل سے خواہاں ہیں۔ بعد میں اپنے کئی ایک انٹرویوز اور پریس کانفرنسوں کے دوران جنرل صاحب نے بعض ایسی باتوں کا تذکرہ کیا اور ایسے امور پر گفتگو کی جس سے اس تاثر کو مزید تقویت ملی کہ جنرل صاحب نہ صرف یہ کہ سیاسی مسائل کو سیاسی انداز سے حل کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ تاریخ کا شعور بھی رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی ایسی روش کو اپنانے سے گریز کریں گے جو ان کی نیک نامی کو متاثر کرے گی اسی عرصہ کے دوران جنرل صاحب نے مزید کچھ ایسے امور کا ذکر کیا جن سے ان کی مکمل غیر جانبداری اور غیر وابستگی کی بو آتی تھی۔ مثلاً مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر غیر ملکی صحافیوں کے وفود سے دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ

(۱) کسی سیاستدان کے خلاف فوجی عدالتوں میں مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔

(۲) سابق وزیراعظم بھٹو تاریخ کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ وہ عزم صمیم کے مالک ہیں۔ ان میں مزاحمت کی بے پناہ قوت موجود ہے۔ وہ ایک عظیم سیاستدان ہیں

(۳) مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں مسٹر بھٹو قطعی طور پر بدعنوانی اور دھاندلی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ افسر شاہی کے بعض کارندوں اور دیگر کچھ لوگوں نے محض ان کی خوشنودی چاہنے کے لئے بعض جگہوں پر ایسا کیا۔

(۴) پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد ہی ملک کے مقبول ترین سیاسی دھڑے ہیں۔ آئندہ انتخابات میں بھی کامیابی ان دو میں سے کسی ایک کی ہوگی۔ نیز گذشتہ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں اگر دھاندلی اور بدعنوانی نہ بھی کی جاتی تو پیپلز پارٹی یقیناً کامیاب ہو جاتی

(۵) مسٹر بھٹو ایک عظیم سیاستدان اور تیسری دنیا کے ابھرتے راہنما ہیں۔ قومی اتحاد کے ساتھ مذاکرات میں انہوں نے انتہائی لچکدار رویہ اختیار کئے رکھا۔ میرے خیال میں مراعات دینے اور نرمی برتنے میں وہ وہاں تک گئے جہاں تک کوئی سیاستدان جا سکتا تھا۔

لیکن جوں جوں وقت آگے کی جانب رینگتا گیا فوجی حکمرانوں کے لب ولہجہ میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں اسی دوران نواب محمد احمد خان کے مقدمہ قتل کے سلسلے میں مسٹر بھٹو کی گرفتاری بڑے ڈرامائی انداز میں عمل میں لائی گئی اور ساتھ ہی مجوزہ انتخابات کے لئے انتہائی مختصر عرصہ کے لئے سیاسی سرگرمیوں اور جلسے جلوسوں کی پابندیاں نرم کر دی گئیں۔ جس کا مقصد محض پیپلز پارٹی کے قوت بازو کا اندازہ لگانا تھا۔ بدقسمتی سے خلاف توقع حاضرین نے معزول اور اقتدار سے محروم پیپلز پارٹی کو شہر شہر، قریہ قریہ سر آنکھوں پر لیا پیپلز پارٹی کے جلسے جلوسوں نے لاہور، راولپنڈی، ملتان کراچی غرضیکہ ہر چھوٹے بڑے شہر میں نئے ریکارڈ قائم کئے۔ بالخصوص مزدوروں، کسانوں، طالب علموں اور محنت کشوں نے زیادہ جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ عوامی طاقت کے اس مظاہرے نے جہاں قومی اتحاد کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں وہاں فوجی انتظامیہ نے بھی انہیں "مثبت نتائج" کے برعکس سمجھا۔ حالات کے تیور رفتہ رفتہ، نوشتہ دیوار بن گئے۔ ہر عام وخاص کے علاوہ قومی اتحاد کی لیڈر شپ اور مارشل لاء حکام کو واضح طور پر دکھائی دینے لگا کہ عام انتخابات کے انعقاد کی صورت میں بلاشبہ پیپلز پارٹی سہ بارہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو جائے گی۔ جبکہ عوام کا یہ "غیر جمہوری اور ملک دشمن فیصلہ" بیک وقت قومی اتحاد کے اکابرین اور فوجی حکمرانوں کے لئے سرطان سے کم نہ تھا، نتیجتہً قومی اتحاد کے کرتے دھرتے اور مارشل لاء انتظامیہ کے مابین "اہم مذاکرات" کے بعد جنرل ضیاء الحق نے عین انتخابات سے چند روز قبل انتخابات کے غیر معینہ مدت تک کے لئے التواء کا بگل بجایا۔ اور ساتھ ہی یہ دلاسہ بھی کہ یہ التواء چند دنوں یا ہفتوں کی بات ہے مہینوں کی نہیں، بعد میں جب قومی اتحاد کی بنیادوں کو حالات اور واقعات کا ڈائنامیٹ لگا تو قومی اتحاد کے چوٹی کے رہنماؤں میں سے ریٹائرڈ اصغر خان اور مولانا نورانی نے جلد اعتراف کیا کہ قومی اتحاد کی قیادت نے اکتوبر ۱۹۷۷ء کے انتخابات کے التواء کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق کی منت سماجت کی تھی اور یوں انتخابات کے التواء کے ساتھ ہی فوجی حکمرانوں کا نوے دنوں کا فیڈ بیلے اپنی موت آپ مرگیا۔ اپنے اولین مشن انتخابات کے انعقاد کو پس پشت ڈالنے کے بعد مارشل لاء حکام نے احتساب کا سوانگ رچایا۔ یہ بات ام نشرح ہے کہ ہماری آج تک تباہی، رسوائی، بربادی، ناکامی اور ذلتوں کا سبب محض احتساب سے فرار رہا ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کا احتساب اور کس کے ہاتھوں؟ مہذب معاشروں میں محاسبہ ہمیشہ ملک کے عوام ہی کیا کرتے ہیں۔ جو کہ ملک کی تقدیر کے حقیقی مالک ہوتے ہیں اصولی طور پر یہ اختیار ملک کی منتخب اسمبلی یا پارلیمنٹ کے پاس ہوتا ہے جبکہ عوام کی اپنی رائے سے منتخب نمائندے ہی احتساب کا حقیقی اور جمہوری حق رکھتے ہیں۔ نہ کہ کوئی ایسا فرد محتسب کہلا سکتا ہے جو واضح طور پر کہے کہ "میں عوام کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں" اور نہ کوئی ایسی حکومت۔ جو اپنی ولادت کے لئے خود "قانون ضرورت" کے سرٹیفکیٹ کی محتاج ہو، دنیا کی موجودہ تاریخ میں ہمیں بہت کم ایسی مثالیں میسر آتی ہیں کہ ایک غیر نمائندہ حکومت ملک کی نمائندہ حکومت کو غیر آئینی اور غیر قانونی طریقے سے معزول کرنے کے بعد اس کا احتساب شروع کر دے، پھر از ہاں میں یہ سوال بھی سر اٹھانے لگتا ہے کہ محاسبہ صرف ذوالفقار علی بھٹو اور پیپلز پارٹی ہی کا کیوں؟ اور اس کے لئے ۱۹۷۰ء کے بعد کے عرصہ کا چناؤ کیوں کیا گیا ہے؟ کیا اس سے قبل یہاں پر خلفائے راشدین کی حکومتیں تھیں جو ہر قسم کی کرپشن، بدعنوانی اور خیانت سے مبرا تھیں۔ کیا اس حقیقت سے فرار ممکن ہے کہ اس ملک کا سیاہ ترین دور ایوبی یا یحییٰ خانی آمریت کا دور تھا۔ جس دوران ملک کی بیخ کنی کی گئی۔ نفرتوں کا بیج بویا گیا اور ملک کی سالمیت پر آرے چلائے گئے۔ چونکہ اس ضمن میں مارشل لاء انتظامیہ کے ذہنوں میں پیدا کردہ شک وشبہات کا

ازالہ کرنے میں یکسر ناکام رہی ہے۔ اس لئے لوگوں کے دلوں میں یہ بات گھر چکی ہے کہ موجودہ فوجی قیادت کا تمام تر عمل، احتساب اور دیگر تمام ہتھکنڈے فقط پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو کو پردہ سکرین سے ہٹانے کی سعی بے کار ہے۔ جو کہ سراسر انتقامی جذبے کے تحت کیا جا رہا ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ماضی قریب میں موجودہ مارشل لاء انتظامیہ کی وکالت کرنے والے گذشتہ قومی اتحاد کے دو اہم رہنماؤں این ڈی پی کے سردار شیر باز مزاری اور تحریک استقلال کے ریٹائرڈ اصغر خان نے بھی احتساب کے عمل کو محض ڈھونگ اور فوجی حکمرانوں کی طرف سے اسے اپنے اقتدار کو محض طویل دینے کے لئے ایک جواز قرار دیدیا۔

اپنے دیگر مقاصد میں سے ایک مارشل لاء حکام نے یہ بھی قرار دیا کہ "معاشرے کی صفائی" اور ملک کی سیاست کو گندگی سے پاک کرنا" ان کے مشن کا ایک اہم ستون ہے۔ سردست جب ہم فوجی انتظامیہ کے عمل کو پرکھتے ہیں "تو معاشرے کی انکی صفائی" اور سیاست کو گندگی" سے نجات دلانے سے ان کی مراد فقط پیپلز پارٹی کا وجود اور عوام الناس میں اس کا اثر و رسوخ ہے۔ یوں کہنا زیادہ حقیقت پسندانہ ہوگا، کہ لوگوں کے بنیادی مسائل معاشی محور کے گرد گھوم رہے ہیں۔ کمر توڑ مہنگائی اور گرانی نے ملک کی نوے فیصد آبادی کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ باقی ماندہ امور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے ساڑھے ۶ کروڑ عوام کو باعزت زندگی اور روزگار کے مواقع مہیا کئے جائیں۔ اس کے برعکس شاہی دربار کے نورتن دن رات شہنشاہ وقت کی مدح سرائی میں مشغول ہیں۔ ان حالات میں یہ سمجھنا اور کہنا حقیقتوں کے زیادہ قریب ہوگا کہ موجودہ مارشل لاء انتظامیہ عوام الناس کے مسائل کو سرے سے سمجھنے ہی میں ناکام ثابت ہوئی ہے، کجا کہ ان کے حل کے بابت سوچا بھی جا سکے۔

اس کے برعکس گزشتہ ایک سال کے "سنہری دور" میں زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا دکھائی نہیں دیتا جسے مثالی ہونے کا شرف حاصل نہ ہو سکے۔ منافع خوری چور بازاری، مہنگائی اور چور بازاری سمیت کرپشن کا اژدھا غریب اور نادار عوام کو نگلے جا رہا ہے عام آدمی کے مسائل اور مصائب گذشتہ کی نسبت زیادہ گمبھیر شکل اختیار کر گئے ہیں۔ لوگ اپنے مستقبل سے مایوس دکھائی دیتے ہیں۔ ہر شے پر جمود طاری ہے اور لوگوں کی امنگیں اور دلچسپیاں دم توڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ لوگوں کو گزشتہ پندرہ ماہ کے "رحمتوں" کے دلوں میں کیا ملا۔ قرون وسطیٰ کے کوڑوں کی سزائیں محض لوگوں میں خوف دہشت کے جراثیم پیدا کرنے کے لئے نفسیاتی حربے آزمائے جا رہے ہیں کہ وہ اپنے حقوق کی بات نہ کر پائیں۔ کبھی سرعام صلیبیں گاڑھ کر پھانسیاں دی جاتی ہیں۔ کبھی مجمع لگا کر بھرے بازاروں میں ٹکٹکی باندھ کر لوگوں کی برہنہ پیٹھوں پر کوڑے برسائے جاتے ہیں، ایک سروے کے مطابق کوڑوں کی سزا پانے والوں میں ۷۰ فیصد تعداد سیاسی کارکنوں کی ہے (جو کہ سارے کے سارے پیپلز پارٹی یا بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ہیں)۔ اس کے برعکس عادی مجرموں، قاتل چور، زانی، چور بازاری کرنے والے سیاہ کار اور کالا دھن رکھنے والے اس وحشیانہ سزا سے بری الذمہ ہیں۔ البتہ دنیا کی مہذب تاریخ میں پہلی بار اہل قلم اور اہل دانش کو اپنے حقوق کے لئے مطالبہ کی پاداش میں ہمارے وطن عزیز میں کوڑوں سے

کوڑوں کی سزا پانے والوں

میں سے ۷۰ فیصد

تعداد سیاسی کارکنوں کی ہے

اور اس پر فخر کیا گیا۔ جس کے خلاف پوری مہذب دنیا نے صدائے احتجاج بلند کی۔ یہ سب کچھ غریب عوام کو اسلامی نظام کے کیپسول میں لپیٹ کر کرایا جا رہا ہے جو کہ صریحاً منفی نقطۂ نظر ہے۔ سنجیدہ طبقہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ لوگوں کے روٹی کے مسائل حل کئے بغیر ان کے ہاتھ کاٹنا کہاں کا انصاف ہے۔ کوڑے مارنے سے قبل کوڑے کھانیوالے کی اصلاح کی سوچنا کہاں کا گناہ کبیرہ ہے۔ معاشرے کی اصلاح کی بجائے اسے ایک ایسی سمت دھکیلا جا رہا ہے جہاں سے واپسی ناممکن ہے، لوگوں کے اذہان میں اسلام کی سچی اور اجلی تصویر کا عکس رسول اکرم ﷺ، عمر فاروق اور ابوبکر صدیق کے قول و فعل کی صورت میں ابھرتا ہے، لیکن ہمارے حکمران کوڑوں کی برسات برسانے میں جسقدر فراغ دل ہیں۔ دجلہ کے کنارے بھوکے مرنے والے کتے کی ذمہ داری لینے میں اتنے ہی کم نظر واقع ہوئے ہیں۔ حضرت علی کی طرح کسی نادار کو دیکھ کر ان کے ذہن میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ کسی سرمایہ دار نے اس کا حق مارا ہے

دوسری سمت محض اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے قصر شاہی سے عجیب و غریب قسم کے قواعد و ضوابط کا اعلان کیا جاتا ہے (کبھی شکست خوردہ (ذہنی اعتبار سے) سیاستدانوں کو زانو بٹھا کر "قومی حکومت" (وہ بھی بغیر قوم رضا کے) پران کے انگھوٹے لگوائے جاتے ہیں۔ کبھی سویلین حکومت کا دانہ ڈالا جاتا ہے۔ اب جبکہ بڑی دھوم کے ساتھ نام نہاد قومی اتحاد کا جنازہ اٹھ چکا ہے اور "نظام مصطفیٰ" اور جمہوریت کے ٹھیکیدار ایک غیر نمائندہ حکومت کی کاسہ لیسی قبول کر چکے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ۱۹۷۱ء میں مرحوم مشرقی پاکستان میں قائم کردہ ڈاکٹر مالک کی جعلی اور کٹھ پتلی کابینہ کی طرح آج کی ہماری جعلی اور غیر نمائندہ چوہدریوں پر مشتمل کابینہ مزید کتنے دن مارشل لاء کے زیر سایہ زندہ رہ سکتی ہے اور جنرل صاحب اس بے حقیقت جماعت کو کب تک ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

یہ ہمارا قومی المیہ ہے کہ نہ تو مسائل کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جا رہا ہے اور نہ حالات کے دھارے کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جا رہا ہے سوال یہ ہے کہ آخر کب تک وقت کا قاضی نہیں معاف کرتا رہے گا۔ دوسری سمت سرکاری ذرائع ابلاغ اور سرکاری پریس کی منجنیقیں دن رات مسٹر بھٹو کو بدنام کرنے اور پیپلز پارٹی کی قلعہ بندیوں کو مسمار کرنے کے لئے گولہ باری کر رہی ہیں۔ جب کسی بھی چیز کے متعلق رات دن بھونڈے اور مضحکہ خیز انداز میں بلا منطق و جواز ڈھنڈورا پیٹا جائے تو نتائج اس کے برعکس نکلا کرتے ہیں۔ اسی طرح ان تمام لن ترانیوں کا نتیجہ متوقع نتائج کے برعکس برآمد ہو رہا ہے اور لوگوں کے ہجوم غول در غول پیپلز پارٹی

کی جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ بلکہ بھٹو اپنے دور میں اپنی شخصیت اور پارٹی کو اتنا نہیں ابھار سکے تھے جسقدر تقویت انہیں ان کے حریفوں کی مخالفت اور مارشل لاء انتظامیہ نے پہنچائی ہے۔ بلا شبہ ماضی کا بھٹو جسے عوام ایک سیاسی رہنما اور مدبر کے طور پر جانتے تھے آج دشمنوں کے تیر کھانے کے بعد محنت کش طبقے کے نزدیک مظلوم اوتار کا روپ اختیار کر چکا ہے۔ اور یہ قد کاٹھ اونچا کرنے کا سہرا فوجی انتظامیہ اور دائیں بازو کی جماعتوں کے سر جاتا ہے جبکہ پاکستان کا کسان اور سندھی ہاری دل کی دھڑکنوں کو بھٹو، تلوار اور پیپلز پارٹی کے ترنگے سے ہم آہنگ پاتا ہے۔

اگر منطقی انداز میں تجزیہ کیا جائے تو ہمارا آج کا سیاسی بحران ۱۹۷۱ء کے مشرقی پاکستان کے حالات سے حیرت انگیز طور پر مماثلت رکھتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ سیاستدانوں کی یہ بکواس ہم نے کبھی پلے نہیں باندھی کہ سیاسی مسائل کا ہمیشہ ہمیشہ سیاسی طریقوں سے ہوا کرتا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں یحییٰ خان نے انتخابات کرائے لیکن بدقسمتی سے ان کے نتائج ہضم نہ کر سکے۔ ایوب خان کی طرح انہوں نے بھی ہتھیاروں کی زبان میں سیاستدانوں کے لئے جام صحت تجویز کیا۔ دوسری سمت مجیب الرحمان ایک سیاسی جماعت کے خول سے نکل کر پورے سونار دیش کی آواز بن گیا۔ فوجی حکمران گروہ نے مسائل کو سمجھنے کی بجائے مجیب کی نمائندہ پوزیشن کو چیلنج کر دیا۔ پھر خلیج بنگال سے سائیکلون ابھارا جسے نہ تو ہماری ہتھیار بند افواج روکنے میں کامیاب ہو سکیں اور نہ وہاں کی مسلم لیگ، جماعت اسلامی اور جمعیت العلماء کہ جو حالات کی سنگینی سے قبل بڑی بڑی بڑھکیں لگایا کرتے تھے، وزیر بلند تھے۔ وقت کا پہیہ آج بھی انہی راستوں سے گذر رہا ہے آج بھی ملک کی اکثریتی پارٹی کا رہنما جیل کی کال کوٹھڑی میں بند ہے اور اس کی پارٹی پر ہر جانب سے نفرتوں کے پتھر برسائے جا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے حکمرانوں نے یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ عوام کیا چاہتے ہیں، ان کی رضا کس میں ہے، اگر بدستور وہ کسی "قاتل" "خائن" اور "بدکردار" شخص ہی کو اپنا رہنما تسلیم کئے ہوئے ہیں تو کیا یہ کڑوی گولی رمنا ریس کورس کی کہانی دہرائے بغیر ہم قبول کر لیں گے؟

پاکستان کے عوام آج یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ موجودہ مارشل لاء اپنے پیشروؤں کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔ یہ سب کچھ سوچنے سمجھنے کے لئے ان کے سامنے ایوب خان اور یحییٰ خان کی زندہ مثالیں موجود ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں جب ایوب خان

حقائق کی کڑوی گولی رمنا ریس کورس کی کہانی دہرائے بغیر نگلی نہیں جائے گی؟

تخت پر جلوہ افروز ہوئے تو قوم کو یہ مژدہ سنایا کہ ان کا حقیقی مقصد ملک میں جمہوریت کا فروغ اور جمہوری اداروں کا قیام ہے اور اس قومی فرض کی ادائیگی کے بعد وہ اپنے حقیقی پیشہ ورانہ فرائض کی جانب لوٹ جائیں گے لیکن اقتدار کا خون ان کے منہ کو ایسا لگا کہ اپنے سبھی عہد و پیمان یکسر فراموش کر بیٹھے۔ اور قوم کی تمام جملہ بیماریوں کا واحد علاج "بنیادی جمہوریتوں" کی پھکی کی صورت میں دریافت کیا۔ جب جی چاہا خوشامدیوں سے بیان دلوا کر سلطان صلاح الدین ایوبی بن بیٹھے۔ اور کبھی ایشیا کے ڈیگال کی کھال پہن لی۔ چونکہ نہ تو وہ خود عوام میں سے تھے اور نہ عوامی نمائندہ لہٰذا شہروں اور چھاتیوں کے مابین فاصلے مزید بڑھتے چلے گئے۔ اور ساتھ ہی ان کے "دس سالہ عہد زریں" میں مشرقی پاکستان میں جداگانہ قومیت اور مرکز سے علیحدگی کے پودے کا بیج بویا گیا۔ ۱۰ سالہ طویل اور گھٹن اور جمود نے ایک عظیم عوامی تحریک کو جنم دیا اور یوں ایوب خان کی شخصی آمریت کے مضبوط قلعے عوامی سیلاب کے سیل رواں کے آگے خس و خاشاک کی مانند بہہ گئے۔

جہاں ایوب خان نے عوام کے شدید مطالبے کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے وہاں جاتی مرتبہ قوم سے انتقام بھی لے گئے اور عوامی خواہشات اور امنگوں کے برعکس اپنے چہیتے یحییٰ خان کی صورت میں نسخہ کیمیا عطا کر گئے۔ جناب یحییٰ خان نے بھی چھوٹتے ہی اپنے پیشرو کی طرح قوم کو جمہوریت کی بحالی اور منتخب نمائندوں کو اقتدار کی منتقلی کی دھنیں سنائیں اپنے باس کے برعکس انہوں نے شدید عوامی ردعمل کے پیش نظر انتخابات کرائے۔ لیکن انتقال اقتدار کو اپنی آن کا مسئلہ بنا لیا۔ یہاں یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ مسلم لیگ، جماعت اسلامی اور دیگر دائیں بازو کی جماعتوں نے یحییٰ خان کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ واضح اکثریت سے کوئی جماعت بھی اسمبلی کے اندر نہیں جا سکے گی۔ اور یوں انتخابات کا ڈرامہ اسٹیج کرنے کے باوجود اقتدار کی چھڑی ان کی ہی بغل میں رہے گی۔ بقول جی۔ ڈبلیو چودھری انتخابات کے غیر ممکنہ نتائج سن کر یحییٰ خان ۴۸ گھنٹے اپنی خواب گاہ سے باہر نہیں آئے تھے۔ اقتدار کی ٹوپی اپنے سر پر آویزاں رکھنے اور عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار منتقل نہ کرنے کی ضد میں یحییٰ خان نے ملک کی سلامتی اور یکجہتی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ آدھا ملک دشمن کے حوالے کرنے کے بعد جناب صدر کی بے نیام تلوار نیام میں واپس آئی۔ قوم کے منتخب نمائندوں کو باعزت اقتدار سونپنے کی بجائے مشرقی پاکستان کی کنجی اور قوم کی عزت و ناموس کی دستار رمنا ریس کورس میں جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے قدموں میں ڈھیر ہوئی۔ سو جوتے بھی کھائے اور سو پیاز بھی!

یہ حقیقت اب تمام اہل وطن پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ اگر ۱۹۷۱ء میں ہمارے ہاں عوام کی منتخب حکومت ہوتی تو شاید مشرقی پاکستان کے نام پر بنگلہ دیش کا سائن بورڈ آویزاں نہ ہوتا اس لئے کہ سیاسی مسائل سیاسی حل کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی کبھی سیاسی مسائل طاقت کے ناجائز استعمال اور دھونس سے حل کئے جا سکتے ہیں بلکہ ہماری ناعاقبت اندیش فوجی قیادت نے مشرقی بازو کے بھائیوں کے دلوں میں نفرت کے شعلے بھڑکائے، پھر ان پر تیل چھڑکا، اور انجام کار ملک و ملت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگوایا۔ مشرقی پاکستان کے عوام نے کبھی پاکستان سے علیحدگی کی بات نہیں کی تھی۔ انہوں نے پاکستان کی تخلیق کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کیا تھا۔ وہ فقط اپنے شہری، جمہوری، اور معاشی حقوق چاہتے تھے

قومی اتحاد نے الیکشن کے التواء کے لئے مارشل لاء انتظامیہ کی منت سماجت کی

لیکن توپوں، ٹینکوں اور گولیوں کی بوچھاڑوں نے انہیں آزاد اور خود مختار بنگلہ دیش کی جانب دھکیل دیا بالکل اسی طرح باقی ماندہ پاکستان کے چار سو لاکھ کے عوام اپنے جمہوری حقوق اور معاشی حقوق کے خواہاں ہیں۔ وہ اس پاکستان کے ٹوٹنے کے تصور سے بھی لرزاں ہیں۔ جسے انہوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔

۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی بنگلہ دیش میں منتقلی اور افواجِ پاکستان کی بدترین شکست بلاشبہ ہماری تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔ اس جان لیوا حادثے کے بعد باقی ماندہ پاکستان کی بنیادیں بھی کھوکھلی ہو گئی تھیں۔ ملک پر مایوسیوں اور شکست کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے۔ افواج اور عوام کا مورال گر چکا تھا۔ مشرقی بازو کے سقوطِ ڈھاکہ کے ساتھ ہی ہمارے ترانوے ہزار سپاہی جوان مغربی محاذ پر ہماری تین تحصیلیں (شکرگڑھ، اور تھرپارکر کی دو تحصیلیں) پر دشمن نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس تاریخی اور بھیانک فوجی شکست نے پورے ملک کے اعصاب پر انتہائی گہرا اثر ڈالا۔ برآمدات تقریباً ختم ہو گئیں جس کے باعث بیرونی زرمبادلہ کی شرح بھی قابلِ محتاط حد تک نیچے آ گری۔ بیرونِ ملک پاکستان کے وقار کو شدید دھچکا لگا اور ملک کے مستقبل کے متعلق سرِعام شبہات کا اظہار کیا جانے لگا۔ بیرونی ممالک نے امداد اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے احتیاط کو لازمی جانا کہ ایک ایسا ملک جس کے مستقبل کے متعلق کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی اس کے ساتھ دوستانہ مراسم کس حد تک جائز ہیں۔ دوسری جانب دشمن کی فوجیں کیل کانٹے سے لیس سرحدوں پر دانت پیس رہی تھیں۔ کہ فتح پر انہیں بجا طور پر ناز تھا۔

یہ وہ حالات تھے جن میں فوجی آمریت کا بُت ٹوٹنے کے ساتھ ہی ملک بھی کسی UN-BREAKABLE گلاس کی طرح ٹوٹ چکا تھا۔ اور بھٹو کو ان کرچوں کو یکجا کر کے راکھ کے اس ڈھیر پر ایک نئے پاکستان کی تعمیر کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ ایک نئے حوصلے عزم اور ولولے کے ساتھ اُسے اس ڈوبتی ہچکولے کھاتی اور بھنور میں اُلجھی ناؤ کے چپو چلانے تھے جس کے عوام مایوس تھے اور ۹۳ ہزار افراد اپنی قیادت کی نااہلی، اور ناعاقبت اندیشی کے باعث بھارتی کیمپوں میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر وہ شخص آیا۔ اُس نے صفیں درست کیں، اور ہر کسی کو پیامِ زندگی دیا۔ ہارے ہوئے جذبوں نے فتح و کامرانی کی شاہراہ کو اپنایا۔ اور قوم نے ایک مرتبہ پھر نئی سمتوں کا سفر شروع کیا۔ اندرونی خلفشار اور ملکی سالمیت کے مسائل سے فراغت پانے کے بعد اُس نے دشمن کی دہلیز پر دستک دی۔ اور ہارے ہوئے فریق کے بجائے برابری کی سطح پر آ کر باعزت طریقے سے وطن کے ترانوے ہزار جیالوں کو واپس (الہ آباد، بریلی، میرٹھ، آگرہ اور نہ جانے اور کتنے جنگی کیمپوں سے نجات دلائی۔ اور مقبوضہ علاقے بھی واپس لئے۔ اس کے بعد بیرونِ ملک پاکستان کی زنگ آلود ساکھ کو بحال کیا اور دلوں کی کدورتیں صاف کیں۔ عالمی طاقتوں سے پاکستان کی بقا اور سلامتی کی ضمانت حاصل کی۔ اور ساتھ ہی عالمِ اسلام کی بکھری ہوئی قوتوں اور ذرائع کو یکجا کرنے کے لئے اپنی صلاحیتیں

****

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

کے لئے کٹھن اور مشکل ترین

مرحلہ انتقالِ اقتدار ہوتا ہے

—— جنرل فرمان علی

****

بروئے کار لایا۔ آخرکار خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ اور یوں پاکستان کو پورے عالمِ اسلام کے سربراہوں کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے عالمِ اسلام اور بالخصوص عرب ممالک میں پاکستان کی اہمیت اور احترام کو بجا طور پر سمجھا جانے لگا۔ لیکن یہ سفر کا اختتام نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ مسٹر بھٹو نے تیسری دنیا اور عالمی سیاست میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا جس سے پاکستان ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کی جبر و استبداد کے خلاف جدوجہد میں ہمسفر بن گیا۔ اس کے ساتھ ہی مسٹر بھٹو نے تیسری دنیا کے ممالک کے لئے نئے اقتصادی ڈھانچے اور تیسری دنیا کے رہنماؤں کی وسیع بنیادوں پر کانفرنس کے انعقاد کا بیڑا اٹھایا۔ اسے بلاشبہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی عالمی ڈپلومیسی کی کامیابی قرار دیا جا سکتا ہے کہ ان کے تدبر اور خارجہ حکمتِ عملی کے تحت جہاں کرنل قذافی نے پاکستان کو اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ قرار دیا وہاں امریکہ نے اسے اپنی خارجہ پالیسی کا اہم جز قرار دیا۔ اسی طرح عوامی جمہوریہ چین نے کھل کر مسٹر بھٹو کی اُن کاوشوں کی حمایت کی جو وہ عالمِ اسلام کے اتحاد اور تیسری دنیا کے تعاون کے لئے کر رہے تھے۔ دوسری سمت ۱۹۷۱ء کے سانحہ کے وقت سے کریملین کے لیڈروں سے پاکستان کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہو چکے تھے۔ مسٹر بھٹو نے انتھک محنت اور ذاتی کوششوں سے ماسکو کا موڈ خوشگوار بنایا جس کے باعث روس نے کراچی میں فولاد کے کارخانے کے لئے امداد دی۔ اسی طرح ویت نام، شمالی کوریا اور مشرقی یورپ کے سوشلسٹ ممالک سے پاکستان کی درآمدات اور برآمدات میں اضافہ ہوا۔ گرد و نواح میں تمام ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستانہ اور خیرسگالی کے جذبات کو فروغ دیا اور یوں افغانستان کے ساتھ کشیدگی میں کمی واقع ہوئی جو "مسئلہ پختونستان" کے باعث جڑ پکڑ چکی تھی بلکہ عملاً کابل کے حکام نے پاکستان کے خلاف اپنے پروپیگنڈے کی توپوں کے منہ بند کر دیئے اور مسئلہ پختونستان سے دستبردار ہونے کا عملی مظاہرہ بھی کیا اسی طرح بھارت کے ساتھ مراسم اعتدال پسندی کا رُخ اختیار کر گئے اور معاہدہ شملہ کے مطابق بھارت نے مسئلہ کشمیر کے وجود اور ریاست جموں و کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ عرب ممالک جو گذشتہ تیس برسوں میں چار مرتبہ صیہونی جارحیت کا شکار ہو چکے تھے۔ اسلامی سربراہی کانفرنس کے دوران پاکستان کی فعال قیادت اور مسٹر بھٹو کے تدبر کے پیشِ نظر پاکستان کو اپنی سلامتی اور بقا کی ضمانت سمجھنے لگے۔ عملاً انہوں نے پاکستان کو بے پناہ مالی امداد

فوجی امداد فراہم کی اور اقتصادی امداد فراہم کی اور اقتصادی روابط کو مستحکم کیا۔ مسٹر بھٹو نے طویل بحث و تمہید کے بعد لیبیا کے تعاون کے تحت فرانس سے ایٹمی توانائی اور ٹیکنالوجی میں خود کفالت کے لئے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ کیا۔ بھارت کے ایٹمی دھماکے کے بعد پاکستان کے لئے اس پلانٹ کا حصول زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا تھا۔ نیز اسرائیلی صیہونی جارحیت پسندوں کی ہوسِ ملک گیری کے پیشِ نظر عرب ممالک کو کسی مضبوط سائبان کی شدید ضرورت تھی، جو صرف پاکستان کی فعال مضبوط اور عالمی سیاست کے آثار چڑھاؤ سے باخبر قیادت ہی فراہم کر سکتی تھی۔

تیسری دنیا، عالمِ اسلام اور عالمی سیاست میں مسٹر بھٹو کی برق رفتار پیش قدمی اور بڑھتا ہوا نفوذ عالمی سامراج کے "مانیٹر" کو پسند نہ آیا اور یوں پاکستان کی اس خودداری کا وائٹ ہاؤس کے حساس آلات نے فوری نوٹس لیا۔ امریکی کانگریس اور سینیٹ میں موجود صیہونی لابی فوراً حرکت میں آگئی کہ اس سے قبل کہ پاکستان ایٹمی طاقت بن کر اسرائیل کے خلاف عربوں کا مضبوط مورچہ بنے، پاکستان کو مسٹر بھٹو کی قیادت سے محروم کر دیا جائے۔ مسٹر بھٹو کو فرانس سے طے شدہ معاہدے کے تحت ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے حصول سے باز رکھنے کے لئے امریکی وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر بنفسِ نفیس لاہور تشریف لائے اور اپنی شاطرانہ ڈپلومیسی کے تمام تر ہتھیاروں کو بروئے کار لانے کے باوجود مسٹر بھٹو کو چت نہ کر سکے۔ تو انہوں نے دھمکی آمیز لہجے میں مسٹر بھٹو کو انتباہ کیا کہ اگر وہ اپنے ارادہ سے دستبردار نہ ہوئے تو انہیں تیسری دنیا کے دیگر ممالک کے لئے ایک بدترین مثال بنا دیا جائے گا۔ بعدازاں معزولی کے بعد اس امر کا انکشاف مسٹر بھٹو نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپنے حلفیہ بیان میں بھی کیا۔ ایک بڑی عالمی طاقت کی بھرپور مخالفت کے باوجود مسٹر بھٹو کو عوام پر مکمل بھروسہ تھا کہ وہ پاکستان کے خلاف ہونے والی ہر سازش کو ناکام بنانے کا عزم رکھتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے بڑی پامردی کے ساتھ عالمی سامراج کے سرغنہ کا ہر چیلنج قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یوں انہوں نے بڑے دلیرانہ اور بے باکانہ انداز میں امریکی سامراج کی پاکستان کے اندرونی معاملات میں بے جا مداخلت کو پارلیمنٹ کے معزز ایوان کے سامنے بے نقاب کیا۔ یوں سوکارنو، چواین لائی، انکرومہ، بن بیلا، جمال ناصر، لومبا اور فیڈرل کاسترو کے بعد مسٹر بھٹو واحد رہنما تھے جنہوں نے سرِعام سامراج سے ٹکر لینے کی جرأت کی جس کے باعث ان کا شمار دنیا کی عظیم ترین شخصیتوں میں ہونے لگا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر مسٹر بھٹو نے امریکہ کی دشمنی کیوں مول لی اور مصلحت کا رویہ کیوں اختیار نہ کیا۔ دراصل مسٹر بھٹو کا شمار دنیا کے اُن چند گنے چنے عالمی شہرت کے مدبّروں اور سیاستدانوں میں کیا جا سکتا ہے جنہیں قدرت نے بے پناہ ذہنی صلاحیتوں اور سوجھ بوجھ سے نوازا ہے۔ ان کی نظر ہمیشہ آنے والے حالات پر رہی ہے۔ لہٰذا ان کی حساس اور دُوررس نگاہوں نے بہت جلد یہ بھانپ لیا تھا کہ ایک مضبوط اور خوشحال اور طاقتور پاکستان ہی دوستوں اور دشمنوں کے لئے قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ ۱۹۷۱ء کی بدترین فوجی شکست کے باعث جنوبی ایشیا کے اس علاقے میں طاقت کا توازن بگڑ چکا تھا۔ جب کہ دوسری سمت عرب ممالک آئے دن اسرائیلی جارحیت کا شکار بنتے

حزب مخالف کے خلاف

وائٹ پیپر کی اشاعت

ایک فیشن بن گیا ہے

ہوتے تھے۔ لہٰذا انہیں ہر قیمت پر پاکستان کو ناقابلِ تسخیر اور فولادی مورچے کی شکل دینی تھی۔ بدقسمتی سے ورثے میں اُنہیں سکڑا ہوا پاکستان اور راکھ کا ڈھیر ملا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے رفتہ رفتہ مقصد کے حصول کے لئے آگے کی جانب قدم بڑھائے جو کہ حسبِ ذیل تھے۔

۱: داخلی طور پر پاکستان کو استحکام بخشا۔ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جمہوری آئین کو جگہ ملی۔

۲: سرحدوں پر منڈلاتے خطرات کا ازالہ کیا اور دشمن سے مقبوضہ علاقہ اور جنگی قیدیوں کی واپسی ہوئی۔

۳: بڑی طاقتوں کے اذہان میں پاکستان کے دو لخت ہو جانے کے بعد باقی ماندہ پاکستان کے متعلق جو شکوک اور شبہات جنم لے چکے تھے اُن کا ازالہ کیا اور خوشگوار مراسم کا آغاز کیا۔

۴: اندرونِ ملک تمام شعبہ ہائے زندگی میں انقلابی تبدیلیاں اور اصلاحات نافذ کیں۔

۵: عالمِ اسلام کے اتحاد اور یک جہتی کے لئے عملی کوششیں کیں اور بالآخر کامیاب ہوئے۔

۶: عالمی استحصالی قوتوں کے خلاف تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک کے اتحاد کا بیڑا اٹھایا۔

۷: فوجی لحاظ سے مضبوط پاکستان کی داغ بیل ڈالی جو اسرائیلی جارحیت کے خلاف اپنے عرب بھائیوں کی بھرپور امداد اور معاونت کر سکے۔

یہ بات اَظہر مِن الشمس ہے کہ امریکہ کسی بھی قیمت پر مسلمانوں کو یکجا اور ایک لڑی میں پروتے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ لہٰذا واشنگٹن نے لاہور میں اسلامی سربراہانِ مملکت کے عظیم الشان اجتماع اور مسٹر بھٹو کے اتحادِ عالمِ اسلام کی کوششوں کو "اچھے شگون" کے طور پر نہیں لیا تھا۔ بعد میں سیٹو سے پاکستان کی علیحدگی، اکتوبر ۱۹۷۳ء کی جنگ میں عرب اسرائیل جنگ میں پاکستان کی فوجی امداد، سوویت یونین سے پاکستان کے بہترین مراسم، شمالی ویت نام کو تسلیم کرنا اور پی۔ ایل۔ او کو فلسطینیوں کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر تسلیم کر کے اسلام آباد میں سفارتی درجہ دینا اور سب سے بڑھ کر فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ، یہ سب کچھ بآسانی ہضم کر جانا امریکہ کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔ مسٹر بھٹو کو اُن کے ان گناہوں کی سزا دینے کے لئے امریکی سی آئی اے فوری طور پر حرکت میں آگئی اور توڑ پھوڑ اور سبوتاژ کی کارروائیوں کے لئے نہ صرف قومی اتحاد کو وافر مقدار میں سرمایہ فراہم کیا گیا بلکہ ہر قسم کی رہنمائی بھی کی گئی۔ اس کا ثبوت نہ صرف مسٹر بھٹو کی اپریل ۱۹۷۷ء کی قومی اسمبلی کی اُس تاریخی تقریر سے ملتا ہے بلکہ حال ہی میں تو مختلف الخیال سیاسی جماعتوں پر مشتمل قومی اتحاد جب اپنے انجام کو پہنچا تو ریٹائرڈ اصغر خاں نے موجودہ مارشل لاء انتظامیہ پر الزام لگایا کہ اُس نے چار کروڑ روپے کی کثیر رقم مسلم لیگ کے تصرف میں دی ہے اسی طرح جواباً مارشل لاء کابینہ

پنجاب کا کسان اور سندھ کا ہاری اپنے دل کی دھڑکنوں کو تواتر اور "پیپلز پارٹی" کے پرچم سے ہم آہنگ پاتا ہے

کے ایک مسلم لیگی وزیر باتدبیر خواجہ محمد صفدر نے اصغر خان سے اُن لاکھوں روپوں کا حساب طلب کیا ہے جو مسٹر بھٹو کی حکومت کے خلاف تحریک کے دنوں میں انہیں دیا گیا تھا۔ جب کہ مبینہ طور پر یہ بھی کہا جاتا رہا ہے کہ نظام مصطفےٰ کی ہڑتالوں اور توڑ پھوڑ کے سیزن میں مسٹر مصطفےٰ گوکل نے لندن سے بھاری رقوم قومی اتحاد کے اکابرین کو بہم پہنچائی تھیں۔ اسی ایک واقعے سے امریکی مداخلت پر مزید کسی شک و شبے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جب مسٹر بھٹو کو اُن کی حکومت کا تختہ اُلٹے جانے کی اطلاع ملی، تو انہوں نے صرف اتنا کہا تھا۔ " SO C.I.A SUCCEEDED " (بالآخر سی آئی اے کامیاب ہوگئی)

بعد ازاں تجربات اور شواہد نے یہ ثابت کر دکھایا کہ قومی اتحاد کے نام پر وجود میں آنے والا نو سیاسی پارٹیوں کا اتحاد ملک دشمنی اور جمہوریت کشی پر مبنی تھا۔ رجعت پسند جماعتوں نے ملک میں تخریب کاری، آتش زنی اور لوٹ مار کو " نظامِ مصطفےٰ " کا نام دیا۔ توڑ پھوڑ کی کارروائیوں کے دوران لوگوں کے گھر لُوٹے گئے، سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ دوکانیں نذرِ آتش کی گئیں، مخالف جماعت (پیپلز پارٹی) کے بعض کارکنوں کو اُن کے کنبوں سمیت پٹرول چھڑک کر بھسم کر دیا گیا۔ قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں پر بم پھینکے گئے۔ حتیٰ کہ کراچی میں رہی پبلک موٹر ٹرک کے کارخانے میں تیار شدہ سینکڑوں بسوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا جن کی مالیت دس کروڑ سے زائد لگائی گئی۔

خون خرابے، تشدد اور مار دھاڑ کے ایک طویل سلسلے کے بعد بعض اسلامی سربراہوں کی معاونت سے حکومت اور قومی اتحاد کے اکابرین کے درمیان مذاکرات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ جن دوست ممالک کے رہنماؤں نے دونوں فریقین کے مابین مفاہمت کا بیڑا اٹھایا۔ اُن میں امیر کویت، تنظیم آزادیٔ فلسطین کے چیئرمین یاسر عرفات، لیبیا کے صدر قذافی اور سعودی عرب کے شاہ خالد پیش پیش تھے لیکن قومی اتحاد نے آخر کار سعودی سفیر ریاض الخطیب کو زیادہ معتبر اور قابلِ قبول تصور کیا۔ بالآخر یہ مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہوتے اور قومی اتحاد کی پیش کردہ شرائط پر معاہدہ طے پایا۔ یعنی " اکتوبر ۱۹۷۷ء میں عام انتخابات کا دوبارہ انعقاد"۔ ملک میں اور باہر مسرت کا اظہار کیا جانے لگا۔ لیکن اُدھر بیرونی آقا کی رضامندی کسی اور چیز میں تھی۔ امریکی ڈائن پاکستانی قوم کی امنگوں کا خون چاہ رہی تھی۔ قومی اتحاد کی مذاکراتی ٹیم نے باہمی سمجھوتے پر دستخط کرنے سے قبل رسمی منظوری کے لئے اسے اپنی مشاورتی کونسل میں پیش کیا۔ وہاں پر ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں نے لمبی بحث و تمحیص کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حالانکہ وہ اتحاد کی منتخب کردہ مذاکراتی ٹیم کے ہر فیصلے کے پابند تھے۔ اس بات کی بُو بڑی واضح محسوس ہو رہی تھی کہ کوئی طاقت پسِ پردہ مزید وقت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس امر کا واضح اظہار مسٹر بھٹو نے بھی کیا تھا۔ جب انہوں نے قومی اتحاد کے رہنماؤں سے کہا تھا کہ سیاسی مسئلے کا سیاسی حل تلاش کر لینا ہی دانش مندی ہے۔ ورنہ کوئی راسپوٹین آ جائے گا۔ اور کھیل دونوں (قومی اتحاد اور حکمران پیپلز پارٹی) کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ انجام کار وہی ہوا اور ۵ جولائی کی درمیانی شب کو ملک تیسرے مارشل لاء کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ اور یوں پاکستان میں جمہوریت اور آئینی حکومت کے قیام کا "شارٹ انٹرول" اپنے اختتام کو پہنچا اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کا عالمی معاملات، اسلامی دنیا اور تیسری دنیا میں کردار بھی ختم ہو گیا۔

آج تیسرے مارشل لاء کی سوغات ملے چودہ ماہ بیت چکے ہیں۔ اور موجودہ مارشل لاء انتظامیہ اپنی بے عملیوں کے باعث گہرے تضادات کا مجموعہ بن چکی ہے۔ عوام اور عبوری حکومت کے درمیان فاصلے روز بروز بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ مسائل کا اژدہا الگ اپنی جگہ پھنکار رہا ہے۔ انتخابات کی ٹرین بظاہر کسی دُور کے سٹیشن پر بھی دکھائی نہیں دیتی۔ آئین معطل ہو چکا ہے، عالمی پریس اور ذرائع ابلاغ فوجی حکومت کے تضادات کو خوب اُچھال رہے ہیں، زرِ مبادلہ کے حصول میں دقت پیش آ رہی ہے، ادائیگی میں عدم توازن ہے۔ لوگوں میں بداعتمادی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اردگرد کے حالات بھی بدشگونی ظاہر کر رہے ہیں۔ عوام کمر توڑ مہنگائی اور بدترین معاشی بحران کا شکار ہیں۔ دوست بھی بیزار سے دکھائی دے رہے ہیں۔ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کی روز روز کی بکواس بھی ختم ہو گئی ہے، کچھ فرانس نے انکار کر دیا۔ کچھ ہم نے عاجزی و انکساری سے بڑوں کا کہا مان لیا۔ بھٹو کو پھانسی دینے یا نہ دینے کے متعلق الگ تذبذب ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے حکمران بیک وقت ان تمام محاذوں پر فتح یاب رہیں گے۔

دوسری سمت عوام شدت سے انتخابات کے خواہاں ہیں۔ موجودہ حکومت کو انہوں نے صرف اسی وعدے کے پس منظر میں قبول کیا تھا کہ وہ نوّے دن کے اندر انتخابات کرا کے بارکوں کو لوٹ جائے گی۔ جب کہ مارشل لاء حکام اصل مقصد کی جانب آنے کے بجائے دُور رس نتائج کے حامل منصوبوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ اس کو صرف ملک اور قوم کی بدقسمتی ہی کہا جا سکتا ہے کہ مارشل لاء حکام بجائے انتخابات کے جلد انعقاد کے کبھی "مثبت نتائج" کی ضمانت طلب کرتے ہیں، کبھی معاشرے کو برائیوں سے صاف کرنے کی رام کہانی سناتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ ملکی سیاست کو گندگی سے نجات دلانا بہت لازمی ہے۔ جنرل چشتی صاحب نے اپنے حالیہ دورہ لندن کے دوران تو یہ کہہ کر قصہ کوتاہ ہی تمام کر دیا ہے کہ احتساب کا عمل انتخابات سے زیادہ لازمی ہے۔ ماضی میں یہ بھی سننے میں آیا کہ مارشل لاء کی چھڑی سے ملک میں سیاسی جماعتوں کی تعداد کم کی جائے گی۔ ایک آدھ مرتبہ تو جناب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب یہاں تک کہہ گئے کہ سیاستدانوں کا کیا ہے۔ میں جب بھی انہیں بلاؤں گا یہ دُمیں ہلاتے میرے پاس آئیں گے۔ (کیہان انٹرنیشنل کو انٹرویو) پھر گذشتہ سال جدّہ سے واپسی پر کہا کہ وہاں پاکستانیوں نے کہا

یحییٰ خاں کے وائٹ پیپر کو بھی عوام نے مسترد کر دیا تھا

ہے کہ ہمیں سیاستدانوں سے نجات دلائیے۔ خوگر حمد ہے گلہ سننے کی سکت ہو تو حقیقت اس کے برعکس ہے۔ قوم روز بروز کے مارشل لا اور فوجی حکمرانوں سے نجات چاہتی ہے۔

فوجی حکمرانوں کے داخلی تضاد کا یہ عالم ہے کہ ایک سال میں غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھ کر آنے والے آج ڈنکے کی چوٹ پر اپنے اس عزم کا اظہار کر رہے ہیں کہ بایاں بازو ٹھیک ہو جاتے ورنہ اُسے کچل دیا جائے گا۔ اکبر بادشاہ کے بیربل ظہور الٰہی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ سوشلسٹ یہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔ حالانکہ ایمپائر کا منصب اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی پسند کی ٹیم کو ہارتے ہوئے بھی دیکھ سکے۔ نہ کہ پستول لے کر مخالف ٹیم پر چڑھ دوڑے۔ ان حالات میں موجودہ فوجی انتظامیہ بذاتِ خود سیاسی فریق بن چکی ہے موجودہ کابینہ کے محکموں اور اختیارات کی تقسیم کے ساتھ ہی جنرل محمد ضیاء الحق کی غیر جانبداری یکسر ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ بلکہ یہ بات زیادہ خوش آئند ہوگی کہ جنرل محمد ضیاء الحق، بنگلہ دیش کے صدر جنرل ضیاء الرحمٰن کی طرح کھل کر سیاسی پلیٹ فارم پر آئیں۔ اس سے ایک تو لوگوں کے اذہان صاف ہو جائیں گے، دوم عوام کے روبرو انہیں اپنی مقبولیت کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ نیز اُن کی شفاف یونیفارم مزید میلے ہونے سے بچ جائے گی۔

گذشتہ ایک برس کے دوران مارشل لاء حکام کی پالیسیوں اور عمل میں بے اطمینانی، بے عملی اور تضاد بیانی کا اس حد تک عمل دخل رہا ہے کہ ان کے قول و فعل کے تضاد نے بین الاقوامی طور پر ملک کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ مثلاً قوم کے نام خطاب سے لے کر بے شمار دیگر انٹرویوز اور پریس کانفرنسوں کے موقعہ پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے بار بار اپنے ان الفاظ کی پاسداری کا نام خدا اور رسول کے ہمراہ اعادہ کیا کہ وہ اپنے نوّے دنوں کے مشن کو بہر صورت مقررہ مدت کے اندر پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے اور ماضی کے فوجی حکمرانوں کے نقشِ قدم پر نہیں چلیں گے۔ اس کے بعد سیکرٹری جنرل وزارت خارجہ جناب آغا شاہی نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں گذشتہ سال اقوامِ عالم کے سامنے اس عہد کی یقین دہانی کرائی کہ ملک میں عام انتخابات ہر قیمت پر ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ہی ہوں گے اور اس کے بعد نمائندہ حکومت بحال ہو جائے گی۔ بعد میں موجودہ مارشل لا انتظامیہ کے اٹارنی جنرل مسٹر شریف الدین پیرزادہ نے بیگم بھٹو کی مارشل لا کے نفاذ کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر کردہ اپیل کے سلسلے میں ملک کی سب سے بڑی عدالت اور مقدس ایوانِ بالا کے روبرو وفاق کی طرف سے عرضداشت پیش کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے اس استفسار پر کہ انتخابات زیادہ سے زیادہ کس مدت تک کروا دیئے جائیں گے۔ مسٹر پیرزادہ نے کہا تھا کہ انتخابات کے انعقاد اور تیاری میں آٹھ ماہ کا عرصہ درکار ہے جب کہ مارشل لا کی تلوار سروں پر لٹکتے آج ٹھیک پندرہ ماہ بیت چکے ہیں۔ حال ہی میں چند ماہ قبل چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے ایک مشیر موصوف نے لندن میں بیان داغا تھا کہ انتخابات سالِ رواں کے آخر تک بہر قیمت کرا دیئے جائیں گے۔ ان حالات میں قوم آج یہ سوچنے اور پرکھنے پر مجبور ہو چکی ہے کہ جنرل موصوف نے خدا سے برتر اور نبی کا نام لے کر غلط بیانی سے کام لیا، مشیر امور خارجہ نے اقوام عالم کی آنکھوں میں دھول جھونکی، اٹارنی جنرل نے ملک کی سب سے بڑی عدالت میں غلط بیان دیا اور مشیر با تدبیر نے ایک جمہوریت پسند ملک میں سفید جھوٹ بولا۔ ایک عام شخص منہ میں انگلی دبا کر سوچتا ہے کہ آخر اعتبار کیا جائے تو کس کا جب کہ عملاً نا امیدیوں کے صحرا میں دور دور تک جمہوریت کی بحالی کا کوئی نخلستان دکھائی نہیں دیتا۔

ہر خاص و عام کا ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ آخر ایسی کون سی مجبوریاں، مشکلات، یا مصلحتیں ہیں جو جنرل ضیاء الحق اور مارشل لاء اتھارٹی کو ایفائے عہد سے روکے ہوئے ہیں۔ اس کا جواب ہمیں موجودہ مارشل لا انتظامیہ کے سیاسی سیل کے ایک اہم رکن اور ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے محاذ پر ہتھیار ڈالنے والے جرنلوں میں سے ایک اہم فوجی جرنیل، جنرل راؤ فرمان علی اپنے ایک حالیہ مضمون میں دیتے ہیں جو ملک کے تمام اخبارات کی زینت بنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"۔۔۔ کوئی بھی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جوں توں کر کے انتخاب تو کرا دیتا ہے لیکن اس کے لئے کٹھن ترین اور مشکل مرحلہ انتقالِ اقتدار کا ہوتا ہے شاید اس لئے بھی کہ سیاستدانوں سے ملنے اور پرکھنے کے بعد ہر چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہر لحاظ سے وہ سیاستدانوں سے اعلیٰ، ذہین اور بہتر ناظم ہے جب کہ سیاستدان اُسے سطحی تجربے اور سطحی صلاحیتوں کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ (چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر) اپنے آپ کو کل تصور کرنے لگتا ہے"

جنرل موصوف آگے چل کر فرماتے ہیں "انتخابات کی حیثیت ماں کی سی ہے۔ جب کہ انتقالِ اقتدار کی حیثیت بچے کی ولادت کا درجہ رکھتی ہے اور مارشل لا ڈاکٹر ہے"

اگر جنرل راؤ فرمان علی کے فرمودات کی روشنی میں دیکھا جائے تو میرے خیال میں ہر چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے ساتھ یہ المیہ ہوا ہے کہ اس کی کُل بننے کی خواہش نے انجام کار اُسے حالات و واقعات کی ایسی دلدل میں پھنسا دیا کہ جہاں سے ذلتوں اور رسوائیوں کے مگرمچھ نے اُس کی ٹانگ کھینچ لی۔ اور بقول ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں، اقتدار کی خواہش بالآخر ہوس کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور یہ ہوس ہمیشہ فوج کی بارکوں کو باعزت واپسی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اگر فوجی ذہن پوری سنجیدگی اور سچائی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ انتخابات کی حیثیت ماں، انتقالِ اقتدار کا درجہ بچے کی ولادت اور مارشل لا حکام خود ڈاکٹر کی حیثیت رکھتے ہیں تو انہیں اس تلخ حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے، کہ بسا اوقات نیم حکیمانہ قسم کے چلائے ہوئے غلط نشتر ماں اور بچے دونوں کے لئے پیام موت بن سکتے ہیں۔ جب کہ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان کی صورت میں ہمیں نا اہل ڈاکٹروں کے غلط آپریشن کا بھیانک خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔

شکست خوردہ جماعتوں کو بطورِ ڈھال استعمال کیا جارہا ہے

ابتدا میں تو وہاں پر بھی "فیئر پلے آپریشن" کی طرح "سرچ لائٹ آپریشن" کامیاب رہا تھا۔ یاد رہے کہ مسلح افواج نے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو مشرقی پاکستان میں جو کارروائی شروع کی تھی اُس منصوبے کا کوڈ نام "سرچ لائٹ آپریشن" تجویز ہوا تھا اور جس کے خدوخال جنرل (ریٹائرڈ) راؤ فرمان علی نے مرتب کئے تھے۔

ہماری عبوری انتظامیہ اپنے اصل وضع کردہ پروگرام سے کوسوں دُور ہٹ چکی ہے۔ بلکہ اپنے اقتدار کو دوام بخشنے اور طول دینے کے لئے اُس نے بعض سیاسی جماعتوں کے ساتھ وزارتوں کی بندر بانٹ کرلی ہے۔ جنرل موصوف جن سوداگروں پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں، نہ تو اُن کی عوام میں کوئی جڑیں ہیں اور نہ عوام میں مقبولیت، بلکہ یہ چند مفاد پرست عناصر کا ایسا گروہ ہے جو اپنے ذاتی اور طبقاتی مفادات کے تحفظ کے لئے ہمیشہ عوام کے خلاف سرگرمِ عمل رہا ہے۔ حال ہی میں تیسرے مارشل لا کی پہلی سالگرہ اور ملک میں جمہوریت کے قتل کی پہلی برسی کے موقعے پر جناب چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے قوم کو انتخابات کی واضح تاریخ کے بجائے غیر نمائندہ اور غیر جمہوری "سول کابینہ" کا تحفہ عنایت فرمایا۔ جن وزرا کی دستار بندی کی گئی اُن میں اکثریت جماعت اسلامی کے 'امیروں' اور مسلم لیگ کے چوہدریوں کی ہے۔ جنہوں نے اس مقام فیض تک پہنچنے کے لئے ایک طویل عرصے تک "نظامِ مصطفےٰ" اور "جمہوریت" کا ڈھنڈورا اپنے نام لئے رکھا۔ جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے تو یہ بات اُس کا پُرانا وطیرہ ہے کہ اُس نے ہمیشہ نمائندہ حکومت کی مخالفت اور غیر نمائندہ حکومت کی حمایت کی ہے۔ دُور کیوں جایئے۔ امیرِ جماعت میاں طفیل محمد نے تو یحییٰ خان کے خود ساختہ آئین کو بھی عین اسلامی ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا کر دیا تھا۔ رہ گئی مسلم لیگ تو ماضی میں ہر فوجی آمر نے اس پھول کو اپنے کالر پر سجایا ہے۔ لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بیچاری پی۔ ڈی۔ پی کی اوقات ہی کیا کہ اُس پر وقت ضائع کیا جائے۔ بقول شخصے

انہیں اگر اسرائیل سے بیگن کابینہ میں شمولیت کا تار بھی موصول ہوتا تو کم از کم چوہدری ظہور الٰہی اور پیر پگاڑا گروپ اسرائیلی حکومت کی پیش کش بسروچشم قبول کر لیتے۔

کہا جاتا ہے کہ شکست خوردہ اور کمزور سیاسی جماعتیں ہمیشہ طاقتور کے پروں تلے پناہ تلاش کیا کرتی ہیں۔ عملاً یہی اہلیت اور اہمیت ان جماعتوں کی عوام کے نزدیک رہ گئی ہے۔ تیس سالوں کی شدید تگ ودَو کے بعد ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جماعت اسلامی کو چار نشستیں میسر آئی تھیں، جب کہ مسلم لیگ کا سکور چھ کے لگ بھگ تھا۔ اور جمہوری پارٹی کا کوئی نمائندہ پورے ملک میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اہلِ دل کو کیا چاہیے۔ بغیر محنت کئے، وقت ضائع کئے، روپیہ برباد کئے جماعت اسلامی کو چار وزارتیں اور مسلم لیگ کو کم وبیش بارہ وزارتیں لگے ہاتھوں مل گئی ہیں۔ اور غالباً یہی ان کے سیاسی سفر کا آخری جنکشن تھا۔

ہماری آج کی صورتِ حال اور ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی صورتِ حال میں حیرت انگیز حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں

تیسری دنیا اور عالم اسلام کے اتحاد کی کوششوں کو امریکہ نے اپنے مفادات کے منافی سمجھا

۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے فوجی ایکشن کے بعد جب عوامی لیگ کی قیادت فرار ہوکر بھارت چلی گئی تھی اور شیخ مجیب الرحمٰن پابندِ سلاسل تھے تو ہماری آج کی مارشل لا انتظامیہ کے قائم کردہ سیاسی سیل کے اہم رکن ریٹائرڈ جنرل راؤ فرمان علی نے وہاں عوامی لیگ کے ہاتھ شکست خوردہ جماعتوں، جماعت اسلامی، مسلم لیگ، جمعیت العلمائے اسلام وغیرہ جنہیں عوام نے عام انتخابات میں یکسر مسترد کر دیا تھا۔ لاٹری کے ذریعے سیٹوں کی تقسیم کی تھی۔ ڈاکٹر مالک کی نوہ کابینہ بھی چند ماہ تک اقتدار کے تخت پر فروزاں رہی تھی اور وہاں یہ بھی جماعت اسلامی کے رضاکاروں نے فوج کے زیرِ سایہ اپنے سیاسی مخالفین سے بڑھ چڑھ کر انتقام لیا تھا۔ لیکن انجام کار جو کچھ وہاں پر ہوا وہ ہماری تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔

اُس کا انجام جو بھی ہوا، سو ہوا
شب گئی خواب ہائے پریشاں گئے

وہی ڈرامہ آج باقی ماندہ پاکستان میں سٹیج کیا جارہا ہے۔ عوام میں مقبول سیاسی جماعت کے رہنما کو سزائے موت سُنا کر پھانسی کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔ جب کہ پیپلز پارٹی کے ہزاروں کارکن آج بھی پاکستان کی مختلف جیلوں میں مختلف المیعاد سزائیں کاٹ رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی فوجی حکمران اپنے گذشتہ پیش رو کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حقیقی نمائندہ جماعت کی جگہ شکست خوردہ دائیں بازو کی جماعتوں کی پذیرائی کر رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ دونوں حلیف کب تک ایک دوسرے کی بیساکھیوں کے سہارے چل پاتے ہیں اور مزید کب تک ایک دوسرے کو بطورِ ڈھال استعمال کرتے ہیں۔

دوسری سمت پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو کے خلاف مارشل لا انتظامیہ کی مہم پورے جوش وخروش سے جاری ہے اور حکومت نے پیپلز پارٹی کے خلاف "وائٹ پیپر سیریز" کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جب کہ گذشتہ ایک برس کے دوران پیپلز پارٹی اور مسٹر بھٹو کی ذات کو اس حد تک ہدفِ تنقید بنایا جا چکا ہے کہ عوام اب کوئی نئی تبدیلی چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے اپنے ہر مخالف کے خلاف حکومتِ وقت کی جانب سے وائٹ پیپر کی اشاعت ایک فیشن بن چکا ہے۔ یحییٰ حکومت نے بھی بڑے اہتمام کے ساتھ عوامی لیگ کی ملک دشمن سرگرمیوں کے متعلق وائٹ پیپر نکالا تھا جس کا وہاں کے عوام پر ایک سینٹی میٹر بھی اثر نہیں ہوا تھا یہی حشر آج کے وائٹ پیپروں کا ہوا ہے۔

(باقی آئندہ)

سورج کے فرستادہ....

جوہر میر
سنٹرل جیل
سکھر

دیکھے تو کوئی رقص مرے شعلہ بدن کا
اُترا ہوا چہرہ ہے ہر اک غنچہ دہن کا
پہلے کہاں روشن تھیں مرے شہر کی راہیں
زخمی تھے سبھی زخم مگر کوئی نہ چھنکا
انساں تھے درختوں کی طرح ساکت و صامت
لب جس کے کھلے اس کا ڈھلک جاتا تھا منکا
پھولوں کے لہو سے بھی کوئی نقش نہ اُبھرا
غازے سے بھی بے رنگ رہا چہرہ وطن کا

کوندے کی لپک ششدر و حیران ہوئی تھی
جیسے کوئی ٹکڑا تھا وہ سورج کے بدن کا
صدیوں کا سفر کر گیا طے آنکھ جھپکتے
جیسے وہ مسافر تھا قرن تا بہ قرن کا
آنکھوں نے کہاں دیکھے تھے اس طور کے منظر
جب شعلوں کو اعزاز ملا شب کے کفن کا

یہ رقص عجب تھا کہ سرِ راہ سب آئے
سہما ہوا سچ جیسے کبھی زیرِ لب آئے
رہتے تھے سبھی جھوٹ کی تاریک گھٹن میں
کہتے تھے کہ خورشید بکف اب کوئی آئے
کہتے تھے سوا نیزے پہ سورج ہے گوارہ
اے صبحوں کے مالک نہ کبھی کوئی شب آئے
اِک بار کوئی راہزنِ شب سے بچا لے
پھر چاہے کوئی مرحلۂ جاں طلب آئے
کہتے تھے کہ اب دل کا افق ہی کوئی چمکے
یا ڈوبتی سانسوں ہی میں کچھ تاب و تب آئے
مر جائیں نہ ہم آنکھوں کے ماتم میں خدایا
سورج کا فرستادہ بنی کوئی اب آئے

جب لُٹ گئیں بے یار و مددگار دعائیں
تب دیکھا سرِ راہ کئی جاں بلب آئے

سورج کے فرستادہ تھے وہ شعلہ بجاں تھے
لگتا تھا وہ اپنے ہی قبیلے کے جواں تھے
شعلوں کی چمک میں کئی چہرے نظر آئے
وہ سب کا یقیں تھے کہ وہ ہم سب کا گماں تھے
تھی سب کی دعا مشعلِ جاں بجھنے نہ پائے
وہ نور کے مینار سفینوں کی اماں تھے
تھا شور کہ ظلمت کے حرم بچنے نہ پائیں
انساں کی مشیّت کے صنم لرزہ بجاں تھے
کون آتا ہے یوں شعلہ بہ سر بر سرِ میداں
مردانِ وفا ایسے بتاؤ تو کہاں تھے
ہر تال پہ پھٹتا تھا شبِ غم کا کلیجہ
رقصاں تھے رجز خواں وہ سوئے صبح رواں تھے

نعرہ تھا دہکتے ہوئے جسموں سے لپٹ جاؤ
بجھنے نہ کبھی پائیں مرادوں کے الاؤ
جو مر گئے خاک اُن کی تم آنکھوں سے لگاؤ
زندہ ہیں جو قدموں پہ فلک ان کے جھکاؤ

افغانستان اور پاک
کی سرحد
اف
اسمگلنگ میں

امریکہ اور ایران سب سے بڑی مارکیٹ ہیں

دنیا بھر میں افیون کی غیر قانونی کاشت کیخلاف
مہم جاری ہے۔ لیکن دیکھنے میں یہی آرہا ہے کہ انسدادی
مہم کے ساتھ اس کی کاشت کی وبا بھی پھیلتی جارہی
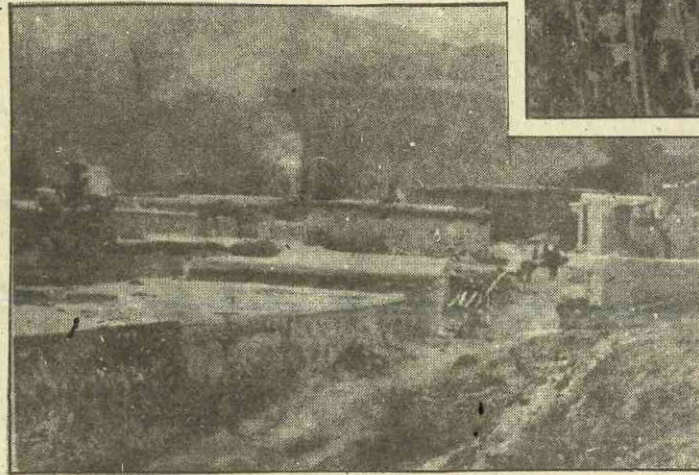
ہے۔ برما، تھائی لینڈ، اور میکسیکو میں افیون کی کا
روکنے کے لئے بڑے پیمانے پر انتظامات کئے گئے
اور پاکستان کے سرحدی علاقے بھی ہیروئن اور
ٹائپ کی دیگر منشیات کی اسمگلنگ کا ایک بڑا ذریعہ
گئے ہیں۔

گذشتہ چند سالوں سے یورپ کے مختلف شہ
میں منشیات کی مختلف اقسام کی گولیاں، بالخصوص
پاکستان سے مارفین سلفیٹ گولیوں کی بھاری مقدا
پکڑی گئی۔ اس سلسلے میں متعدد پاکستانی بھی گرفتا

...لستان
...حدوں سے
...افیون کی
...کا تعاون

...ہیں۔ افیون کی کاشت
...مات کئے گئے۔ افغانستان
...ی ہیروئن اور ہیروئن
...کا ایک بڑا ذریعہ بن

...پ کے مختلف شہروں
...یاں، بالخصوص
...وں کی بھاری مقدار
...پاکستانی بھی گرفتار کئے

گئے۔ لیکن مرکزی ایکسپورٹ مارکیٹ ایران ہے۔ جہاں انٹرپول پولیس ایجنسی کا کہنا ہے کہ افیون استعمال کرنے والوں کی تعداد چھ لاکھ اور ہیروئن کے شکار افراد تقریباً ۵۰ ہزار ہیں۔

پاکستانی حکام کے تخمینہ کے مطابق اس سال خام افیون کی پیداوار ۲۲۰ میٹرک ٹن ہوگی۔ جبکہ سال گذشتہ ۱۷۰ ٹن اور ۱۹۷۶ء میں ۱۸۰ ٹن تھی۔ اسلام آباد کے غیر ملکی سفارت خانوں کے ذرائع کے مطابق، ۱۹۸۰ء میں افیون کی مجموعی کاشت کم سے کم ۳۰۰ ٹن اور زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ ٹن کے امکانات ہیں ان ذرائع کے مطابق نصف پیداوار سے زائد افیون برآمد ہوگی۔ برما کے شان اسٹیٹ میں جہاں پوپی کی کاشت ہوتی ہے۔ اس سال ۳۰۰ ٹن سے ۳۶۰ ٹن تک کی فصل ہوگی۔ جبکہ تھائی لینڈ کے پڑوس کے قبائلی علاقے میں ۵۵ ٹن کی اضافی پیداوار ہوگی۔

پاکستان نارکوٹک کنٹرول بورڈ کے حکام کا کہنا ہے کہ افیون کی پیداوار کی دو تہائی روائتی ادویات اور مقامی طور پر استعمال ہوگی۔ ان کا کہنا ہے اس معاملہ میں پاکستان کو ناجائز طریقہ سے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ غیر ملکی ناقدین سرحدی علاقے کے مسائل اور پیچیدگیوں سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان سے متصل افغانستان کے علاقوں میں قبائل سالانہ ۳۰۰ ٹن افیون کاشت کرتے ہیں اور تقریباً ۵۰ ٹن افیون پاکستانی علاقے لنڈی کوتل اور دیگر قبائلی بازاروں میں پہنچا دی جاتی ہے۔

پاکستان کو برطانیہ سے ورثے میں جو نظام حکومت ملا اس کے تحت قبائلی علاقوں میں افیون کی کاشت پر پابندی کے قانون کا اطلاق ناممکن ہے۔ خاص طور پر سوات کا علاقہ، جہاں بڑی مقدار میں افیون کی کاشت ہوتی ہے۔ یہ علاقے شمال مغربی سرحدی صوبے میں شامل ہیں جہاں دونوں طرف قبائلی پٹھانوں کی بالادستی ہے

پاکستان سے برآمد ہونے والی افیون کی بڑی مقدار کاروں، جیپوں اور ٹرکوں کے ذریعہ افغانستان کے راستے ایران جاتی ہے۔ افیون کی بڑی اسمگلنگ کے لئے درۂ خیبر اور دوسرے درّے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بلوچستان کے راستے بھی افیون ایران اسمگل کی جاتی ہے۔ اقوام متحدہ کا ذیلی شعبہ یو این ایف ڈی اے بھی پاکستانی حکام کے تعاون سے باسکٹ پروگراموں پر عمل کر رہا ہے۔ جس کا مقصد افیون کے کاشتکاروں کو دوسری فصل کی کاشت کی جانب راغب کرنا ہے افغانستان کے مقابلے میں پاکستان میں اس پروجیکٹ پر زیادہ سرگرمی سے کام ہو رہا ہے۔ افغانستان میں اس شعبہ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر برور ایکسڈ نے اگست میں تین ملین ڈالر کے امدادی معاہدے پر دستخط کئے ہیں۔

پاکستان میں بھی افیون کی کاشت اور استعمال پر پابندی کے قانون پر سختی سے عمل کیا جا رہا ہے مگر متبادل کاشت کی تیاری پر کافی عرصہ لگے گا۔ سرحد کے علاقے کے لوگ اپنے معاملات میں غیر ضروری مداخلت اور غیر معمولی پابندیاں برداشت کرنے میں کچھ زیادہ تحمل اور رواداری کا ثبوت نہیں دیتے لہذا افیون کی کاشت پر مکمل اور مؤثر پابندی لگانے میں کافی ہچکچاہٹ اور پس و پیش سے کام لیا جاتا رہا ہے۔

پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبہ اور پڑوسی ملک افغانستان میں حشیش بھی بہت بڑی مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ بھارتی پودا، کسنا بیز ساتیوا۔ کام چیرہ ہمند اور ارکزی ایجنسیوں کی موافق آب و ہوا میں بڑی تیزی سے پھلتا پھولتا ہے۔ پاکستان کے شمال میں، کسنا بیز کی پیداوار جنگلی گھاس کی طرح ہوتی ہے لیکن حشیش اور مری زوانا کی سب سے عمدہ کوالٹی کسنا بیز ساتیوا سے بنتی ہے۔

افغانستان کے بعد افیون اور کنابیز سرحد کے خیبر اور اس کے دیگر اضلاع کی نقد آور فصلیں ہیں۔ جنکی کٹائی کے بعد ہاتھوں ہاتھ اسمگلنگ ہوتی ہے چونکہ بائی ویز اور چیک پوائنٹوں کے علاوہ اندرونی قبائلی علاقوں میں پاکستانی قوانین نہیں چلتے اس لئے ان کی اسمگلنگ کے سدباب کا کام مشکل بنا ہوا ہے جب قبائلی ایجنسیوں سے افیون اور حشیش پاکستان کے اندرونی علاقوں میں اسمگل کی جاتی ہیں تو نارکوٹک کے ایجنٹ انہیں ضبط کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتے عالمی ذرائع کے مطابق سالانہ قبائلی علاقوں سے۔ سینکڑوں ٹن حشیش امریکہ اور یورپ کے ممالک میں اسمگل کی جاتی ہے۔ لنڈی کوتل کے بازار سے ساٹھ ڈالر سے ۱۰۰ ڈالر فی کلوگرام حشیش دستیاب ہو جاتی ہے جبکہ یہی حشیش بیرون ملک ۵۰ گنا قیمت پر فروخت ہو سکتی ہے۔

افیون اور حشیش کی اسمگلنگ کے دوران مختلف طریقوں اور ہتھکنڈوں پر عمل کیا جاتا ہے۔

نارکوٹک کنٹرول بورڈ کے چیئرمین رؤف علی کا کہنا ہے کہ پاکستان اور افغانستان سے افیون اور کنابیز کی اسمگلنگ روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ غیر ملکی طلب کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ شکنی کی جائے اور افیون کے کاشتکاروں کو متبادل نقد آور کاشت کی جانب کامیابی سے راغب کیا جا سکے۔

اقلیتی فرقہ کے وزیر کا ڈنڈا اور پائپ دہشت اور بدبو

شراب نوشی، مذہب دشمنی اور سیاسی تبصرے حرکت میں آ گئے

وزارتِ اطلاعات میں
اور چارج شیٹ
تبادلوں کا سلسلہ جاری ہے

شبیہ الحسن

ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات میں اقلیتی فرقہ کے وزیر محمود اعظم فاروقی کا ڈنڈا اور پائپ کا دھواں دہشت اور بدبو پھیلا رہا ہے۔ کہا یہی جا رہا ہے کہ فرقہ مودودیہ سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور رواداری کا مظاہرہ کیا جائے گا۔ مگر عمل اس کے بالکل برعکس ہو رہا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو نظامِ مصطفےٰ کے نام پر جماعت اسلامی کے ایجنٹوں اور تنخواہ دار کارکنوں کے حوالے کر دیا گیا ہے جو نشریاتی پروگراموں کو بتدریج اس ڈھب سے تیار کرنے میں مصروف ہیں جس سے جماعت اسلامی کے افکار و نظریات کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہو سکے۔ چونکہ اس خفیہ اسکیم کی راہ میں غیر جانبدار اور جماعت سے اختلاف رکھنے والے پروڈیوسر بھاری پتھر ثابت ہو رہے ہیں اس لئے انہیں ہراساں اور بددل کرنے کے مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق ریڈیو اسٹیشن کراچی کے سات ملازمین کو جو چارج شیٹس دی گئی ہیں۔ ان میں الزام لگایا گیا ہے کہ وہ "شراب نوشی کی بری لت میں مبتلا ہیں، مذہب کے بارے میں ناپسندیدہ خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور دفتری اوقات میں سیاسی تبصرہ کرتے ہیں۔"

ان معتوب ملازمین کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ جماعت اسلامی کے نکتۂ نظر سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے بڑی جرأت اور بہادری سے اس بات کا اعلان کیا کہ نشریاتی ادارے قومی ملکیت ہیں۔ انہیں جماعت اسلامی یا کسی سیاسی پارٹی کے پروپیگنڈے کے لئے وقف نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات جب جسارت کے مدیر مولوی صلاح الدین تک پہنچی تو اس نے فوری طور پر محمود اعظم فاروقی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور انہیں مشورہ بھی دیا کہ ایسے "خطرناک دشمنوں" کی اگر ابھی سے گوشمالی نہ کی گئی تو جماعت ابلاغ کے ذرائع پر کنٹرول حاصل کرنے کی اسکیم میں فلاپ ہو جائے گی چنانچہ متعلقہ شعبوں کے سربراہ جوان دنوں اپنی ملازمتیں بچانے کے لئے محمود اعظم فاروقی کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں، جماعت اسلامی سے اختلاف رکھنے والوں کو دھڑا دھڑ، چارج شیٹیں اور تبادلے کے نوٹس جاری کر رہے ہیں معلوم ہوا ہے کہ ریڈیو کے متعدد ملازمین کو دور دراز علاقوں میں تبادلے کے نوٹس جاری کئے جا چکے ہیں، جس سے ملازمین، اور مستقل اسٹاف خوف وہراس اور بے اطمینانی کا شدید شکار ہے۔

جماعت اسلامی کے ملحدانہ نظریات کس طرح نشریاتی اداروں پر اثر انداز ہو رہے ہیں، اس کا اندازہ شہیدِ ملّت لیاقت علی خان کی برسی کے پروگراموں کی اچانک تبدیلی سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیاقت علی خان ہمارے قومی ہیرو اور پاکستان کے پہلے وزیر اعظم ہیں۔ جن کی برسی کے موقع پر ریڈیو سے ہر سال اُن کے مزار پر، قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور دُعا مانگنے کی تقریبات کی کارروائی نشر کی جاتی ہے لیکن اس سال اچانک فنّی خرابیوں کا بہانہ بنا کر جملہ تمام کارروائیوں کا بائیکاٹ کیا گیا جس سے عام پاکستانی مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی مزارات اور درگاہوں کی زیارت اور فاتحہ خوانی کو بدعت قرار دیتی ہے۔ اور اس مسئلہ میں وہ وہابی مکتبۂ فکر کی ہم خیال ہے۔ چنانچہ اس سال چونکہ جماعت اسلامی کے محمود اعظم فاروقی وزیر اطلاعات ہیں۔ اس لئے بڑی چالاکی سے فنی خرابیوں کا بہانہ بنا کر شہیدِ ملّت کی برسی کے تمام پروگراموں کو وہابی مسلک کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اور عوام کا دل رکھنے کے لئے صرف رات کی نشریات میں پندرہ بیس منٹ کا پروگرام پیش کیا گیا۔

اشتہارات کے سلسلہ میں جماعت اسلامی کی پالیسی کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ جہاں پہلے ریڈیو سے روزانہ تیس چالیس اشتہارات نشر ہوتے تھے اب ان کی تعداد گھٹ کر پندرہ رہ گئی ہے۔ اس طرح کارپوریشن کو ماہانہ لاکھوں روپے کا نقصان ہو رہا ہے۔ اس خسارے کو پورا کرنے کے لئے ملازمین کو اوورٹائم اور دوسری مراعات دینے سے انکار کیا جا رہا ہے جس سے خاص طور پر نچلے درجے کے ملازمین میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا ہے، اور چہ میگوئیاں جاری ہیں کہ ۷۰ء کی قیمتیں واپس لانے والے ۸۰ء کی مہنگائی کا عذاب مسلط کر رہے ہیں۔"

یہ تو رہا ریڈیو کا احوال، اب آئیے فلموں کی جانب، جب سے جماعت اسلامی اقتدار میں آئی ہے۔ اور محمود اعظم فاروقی کی زبانی اور تحریری ہدایات کا نقارہ بجنے لگا ہے، فلم انڈسٹری ٹھپ ہو کر رہ گئی ہے۔ پروڈیوسروں نے فلموں کی تیاری پر سرمایہ لگانا بند کر دیا ہے۔ اسٹوڈیو کے مالکان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ سامان میں زنگ لگ رہا ہے۔ اور صنعت میں بڑے پیمانے پر بے روزگاری کا خطرہ منڈلانے لگا ہے۔ فنکار مایوسی کے عالم میں ڈوبے ہوتے ہیں اور وہ مستقبل کی بے روزگاری کے عذاب سے بچنے کے لئے نئے کاروبار میں سرمایہ لگانے یا ملک سے باہر چلے جانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ اداکار اور اداکاراؤں کو ذہنی اور مالی طور پر زیر بار کرنے کے لئے انکم ٹیکس کے لاکھوں روپے کے نوٹس جاری کئے جا رہے ہیں، ان کی اپیلوں کی سماعت بھی نہیں ہوتی۔ اور اس دوران ان کی املاک کی نیلامی کر کے انہیں سرِعام رُسوا کیا جا رہا ہے۔ یہ ساری کارروائی جماعت کی

پالیسی کا حصہ ہے تاکہ فنکار اس صنعت سے
[بیزار؟]س ہو کر اسے خیرباد کہہ دیں۔ اور پوری انڈسٹری
[سرکاری؟]کاری سطح پر کوئی کارروائی کئے بغیر خود بخود
[ختم؟]ہو جائے۔

جماعت اسلامی کی پالیسیوں اور بے جا مداخلت
[ک]ے سبب سنسر بورڈ کی معزز رکن اور پاکستان کی
[ممت]ازادیبہ محترمہ ہاجرہ مسرور نے استعفیٰ دے
[د]یا۔ انہوں نے اپنے استعفیٰ میں واضح طور پر کہا
ہے کہ جماعت جس آمرانہ طریقے سے فلم صنعت اور
سنسر بورڈ پر اپنے فیصلے مسلط کرنا چاہتی ہے
اس کی روشنی میں مناسب یہی ہے کہ استعفیٰ دے
کر باوقار طریقہ سے نجات حاصل کر لی جائے۔ ہاجرہ مسرور
جیسی غیر جانبدار افسانہ نگار کے استعفیٰ کی وجوہات
سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جماعت اپنی ناعاقبت
ذہنی اور نظریاتی پسماندگی کے سبب کس طرح قومی
شعبوں کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

ٹی وی کے پروگراموں کو بھی سلیم احمد کی
شیروانی اور محمود اعظم فاروقی کی داڑھی پہنائی جا
رہی ہے۔ پائل کا خوبصورت پروگرام بند کر کے
بہت بڑا معرکہ سر کر لیا گیا ہے۔ فیچر فلمیں گانے
اور رقص سنسر کرنے کے بعد پیش کی جا رہی ہیں۔
البتہ بعض گانے، رقص اور رومانی مناظر جن
میں ذرا بھی اسلامی رنگ جھلکتا ہے ضرور پیش کئے
جاتے ہیں تاکہ ناظرین کو باور کرایا جا سکے۔ جماعت
اسلامی رقص و سرور کی بالکل مخالف نہیں ہے۔

اطلاعات کے مطابق فاطمہ ثریا کا سیریز
ڈرامہ آگہی تکمیل کے آخری مرحلے میں تھا کہ اچانک
اس پر جماعت کے دانشوروں کی نگاہ پڑ گئی چنانچہ
اس کے اسکرپٹ پر دوبارہ نظر ثانی کی جا رہی ہے
اور امکان ہے کہ اس کے بعض حصوں کو مشرف
بہ جماعت کرنے کے لئے دوبارہ فلم بند کیا جائے

قصہ مختصر یہ کہ جماعت اسلامی کے نوکیلے
پنجوں کے دباؤ اور سختی سے نشریاتی اداروں کے
جسم لہولہان ہیں۔ اور اگر فلمی صنعت سمیت ان
اداروں کو جماعت کی دست برد سے جلد نہ نکالا
گیا تو وہ دن دور نہیں جب ان میں اُلّو بولے گا
یا جماعت ۔۔۔!

●

بدمعاش، بوڑھا باپ اور نوجوان بیٹی

جب کوڑے برداشت سے باہر ہو جائیں گے تو پھر کیا حشر ہوگا

ظفر قریشی

آج کی گفتگو ایک پاکستانی فلم "دشمنی ہو گیا" کے ایک منظر سے شروع کرتے ہیں تفصیل میں جانے سے پہلے بتا دیں کہ فلم میں کوئی غیر معمولی بات نہیں سوائے ایک منظر کے۔ جس منظر سے بات چیت کا آغاز ہوا ہے۔ وہ موجودہ حکومت کے متعین کردہ نظام مصطفیٰ کے سنسر کی زد میں آنے سے بچ گیا ہے لیکن بڑی سچائی اور خلوص کے ساتھ ہمارے آج کے معاشرے کی عکاسی کرتا ہے۔

منظر کچھ یوں ہے کہ ایک ضعیف باپ بھوک سے بلبلا رہا ہے اور چند بدمعاشوں نے، جو اس کی خوبصورت بیٹی کو اپنے بستر کی زینت بنانا چاہتے ہیں اسے گھیر رکھا ہے وہ ہاتھ جوڑ کر کہتا ہے کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ کھلا دو۔ میں بہت بھوکا ہوں، بدمعاش اسے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراتے ہیں اور کچھ کھلانے کے بہانے ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں کھانے پینے کی چیزیں وافر مقدار میں موجود ہیں، کھانا دیکھ کر بوڑھا ٹوٹ پڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن بدمعاش اسے روک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریف لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں چنانچہ سب ایک ساتھ کھانے کے لئے بیٹھتے ہیں پہلا بدمعاش مرغی کی ایک ٹانگ اٹھاتا ہے بوڑھے کی طرف بڑھاتا ہے اور جب بوڑھا لپک کر اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے تو بدمعاش ایک قہقہہ لگا کر ٹانگ خود کھانے لگتا ہے دوسرے بدمعاش کو پہلے بدمعاش کی یہ حرکت اچھی نہیں لگتی وہ پہلے بدمعاش کو سخت سست کہتا ہے "شرم کرنی چاہیئے تمہیں ایک شریف آدمی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو، بڑے میاں آپ پریشان نہ ہوں میں آپ کو پیش کرتا ہوں، یہ کہہ کر وہ مرغی کی ایک اور ٹانگ اٹھاتا ہے اور بوڑھے کی طرف بڑھاتا ہے بھوکا بوڑھا اسے بھی پکڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن دوسرا بدمعاش ایک قہقہہ لگا کر مرغی کی ٹانگ سے گوشت نوچ نوچ کر کھانے لگتا ہے بوڑھا بے بسی نظر آتا ہے وہ چاہتا ہے کہ ہاتھ بڑھا کر طشت میں رکھی ہوئی چیزیں اٹھا لے لیکن نقاہت، کمزوری اور خاندانی شرافت کے سبب تلملا کر رہ جاتا ہے اب تیسرا بدمعاش آگے بڑھتا ہے اور دونوں پہلے بدمعاشوں کو کمینے وغیرہ قرار دیکر وہی حرکت دہراتا ہے۔ اس طرح بھوکے بوڑھے کی حیثیت ایک تماشائی کی ہو جاتی ہے۔

قارئین کرام! بھوک بہت بری چیز ہے بوڑھا کب تک بھوک سے جنگ جاری رکھتا آخر اسے خود بھی تو زندہ رہنا تھا چنانچہ وہ ان بدمعاشوں کی نفسیاتی جنگ کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اپنی بیٹی ان کے حوالے کر دیتا ہے۔

اگلا منظر یہ ہے کہ بدمعاش بھوکے بوڑھے کی خوبصورت بیٹی کو کوڑے مار مار کر ناچنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ اور عین سامنے وہ خود بیٹھا دونوں ہاتھوں سے نوالے توڑ رہا ہے۔

یہ منظر دکھا کر فلم بنانے والوں نے ناظرین کو تین کرداروں سے متعارف کرایا ہے۔ پہلا کردار بدمعاش کا ہے دوسرا بھوکے بوڑھے باپ کا اور تیسرا اس کی خوبصورت اور نوجوان بیٹی کا۔ اب اگر آپ اس خوبصورت مظلوم اور نوجوان بیٹی کو پاکستان کے عوام کی اکثریت قرار دیں تو اس سے فلم کی کہانی کے اس حصے کا سیاسی پس منظر واضح ہو جاتا

ہے بوڑھے اور مجبور باپ کو آپ اقتدار کی بھوکی سیاسی جماعتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں جو اصولوں کی پرواہ نہیں کرتیں اور محض اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیئے بے اصولی کی حمایت کرنے لگتی ہیں اور بے غیرتی کا لبادہ اوڑھنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ رہ گئے کوڑے تو کوڑوں کی سزا آج بھی لوگوں کو عام لوگوں کو سنائی جا رہی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ مظلوم نوجوان اور خوبصورت لڑکی جس کا نام عوام ہے ہمیشہ کوڑوں کے آگے ناچتی رہے گی؟ جب کوڑے برداشت سے باہر ہو جائیں گے تو اس کا کیا رویہ ہوگا کیا وہ اپنے باپ سے نفرت کرے گی اور یہ نہیں سوچے گی کہ جب یہ شخص مجھے عزت کے ساتھ پالنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو دنیا میں لانے کا باعث کیوں بنا؟ آپ اس مسئلہ پر جتنا سوچیں گے اتنے ہی سوال اٹھیں گے اور ان تمام سوالوں کا جواب یہی ہوگا کہ لڑکی کو جو عزت آبرو کی زندگی گذارنا چاہتی ہے اپنی مرضی کا حضم کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن جناب جب لڑکی نوجوان بھی ہو اور خوبصورت بھی ہو اور جب اس کا باپ اسے فروخت کرنے پر تل گیا ہو اس صورت میں وہ لستروں کے سفر سے کس طرح اپنے آپ کو بچا سکتی ہے اور جو لوگ اسے اس پر مجبور کر رہے ہیں کیا اس کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذارنے کی اجازت دیدیں گے اور کیا باپ نے اسے فروخت کر کے اپنے تئیں یہ طے کر لیا ہے کہ اب نہ صرف وہ بھوکا نہیں رہے گا بلکہ اس کی بیٹی کو بھی بھوک نہیں ستائے گی پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر دو وقت کی روٹی کی ضمانت بھی مل گئی ہے تو اس کی کتنی بڑی قیمت بیٹی کو ادا کرنی پڑی۔ جی نہیں! جہاں یہ بات صحیح ہے کہ حقوق نہایت آسانی کے ساتھ چھینے جا سکتے ہیں لیکن جب ان کی بحالی کا موقعہ آتا ہے تو اس کے لیئے بہت جدوجہد کرنی پڑتی ہے اسی لیئے زندہ قومیں ایسے انتظامات کرتی ہیں کہ انہیں بار بار جدوجہد کر کے اپنی توانائی ضائع کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ جمہوری اداروں کو اس طرح باہم مربوط رکھا جاتا ہے۔ کہ صرف عوام کے مسائل حل ہوتے رہیں بلکہ طالع آزماؤں کی بھی حوصلہ شکنی ہو۔ یہی نہیں زندہ قومیں بیرونی اثر و نفوذ پر بھی نظر رکھتی ہیں مثال کے طور پر ترکی کو دیکھیئے جہاں سیاست کے ذریعے ہونے والے اثر و نفوذ کا مقابلہ سیاسی طور پر کیا جاتا ہے البتہ مذہب کی آڑ میں کسی قسم کے اثر و نفوذ کی اجازت نہیں دی جاتی سوچنے والوں کے لیئے اس پالیسی میں بہت کچھ ہے بشرطیکہ ہم سوچنا چاہیں۔

مگر دشواری یہ ہے کہ ہم نہ سوچنا چاہتے ہیں اور نہ عمل کرنا چاہتے ہیں ملک کے شاعر، دانشور اور ادیب جن پر سوچنے کی ذمہ داری سیاست دانوں سے زیادہ ہوتی ہے اور جو قوموں کو راستہ دکھاتے ہیں، آڑے وقتوں میں اپنی آزاد نظموں، نثری شاعری اور علامتی افسانے کی کمین گاہوں میں جا چھپتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے، درباری شاعر، درباری دانشور درباری ادیب، ہر دور میں اور ہر ملک میں ہوتے ہیں اور رہے ہیں لیکن ایسے کپلنگ لوگ افراد کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے۔ کپلنگ کے ذکر کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ آنجہانی نے برصغیر کو اپنی شہرت کا زینہ بنایا تھا ملک کے ہاں بچہ ہوتا تو وہ نومولود کی شان میں قصیدہ لکھتا بادشاہ کے احکامات پر ٹرین چلتی تو وہ اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا لیکن اسی کپلنگ کے دور میں ایسے ادیب، شاعر، اور دانشور بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو بادشاہ پر تنقید کرنے اور اُسے اس کی غلطیوں پر ٹوکنے کا راستہ دکھایا۔ یہ لوگ اقلیت میں نہیں تھے ان کے پیچھے عوام تھے لہٰذا بادشاہ چاہتے ہوئے بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ چند ادیب، دانشور، اور شاعر یقیناً اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوں گے مگر سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ جس گھر میں آپ زندگی گذارتے ہیں کیا اُسے محض اس لیئے صاف کرنے کی کوشش نہیں کرینگے کہ سانپوں اور بچھوؤں کا نشانہ بننے کا خدشہ ہے؟

کوئی تحریک تشدد سے دبائی نہیں جا سکتی

فتح بالآخر عوام اور محنت کشوں کی ہے، متحدہ مزدور مجلسِ عمل

متحدہ مزدور مجلس عمل کے سینئر نائب صدر اور نیشنلائزڈ انڈسٹری ایمپلائز تحفظ کمیٹی کے جنرل سکرٹیری جناب بشیر ظفر نے مزدور محاذ راولپنڈی کے رہنماؤں سے ملاقات کے بعد اپنے پیغام میں کہا ہے کہ ہمارے حوصلے پہلے سے بھی بلند ہیں اور صنعتی مزدور، غریب شہری، طلباء، کسان، ہاری، بحالی جمہوریت کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں، میں اور میرے دوسرے قیدی ساتھی انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے آنجہانی یعقوب پرویز کھوکھر کو جمہوریت کی بحالی اور عوام کے حقوق کے لئے جان کی قربانی دینے پر زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ بالآخر فتح غریب عوام اور محنت کشوں کی ہوگی۔

انہوں نے کہا کہ حکومت قومی تحویل میں لی گئی صنعتوں کی واپسی کا صدارتی آرڈیننس فوراً واپس لے پنجاب کے جیالے محنت کش کسی صورت میں بھی صنعتوں کو مالکان کو واپس نہیں ہونے دیں گے۔ بشیر ظفر نے محنت کشوں، صحافیوں، طلباء، سیاسی کارکنوں کو کوڑوں کی سزائیں دینے کی سخت مذمت کی اور احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ کوئی تحریک تشدد سے نہیں دبائی جا سکتی۔ یہ بھول ہے کہ وہ کوڑوں جیسی سزاؤں سے غریب عوام کو مرعوب کر لیں گے۔ پنجاب کے غیرت مند عوام کسی صورت میں بھی اپنے حقوق سے دست بردار نہیں ہوں گے۔ انہوں نے پنجاب کے بہادر محنت کشوں سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے حقوق اور بحالیٔ جمہوریت کی تحریک کو تیز سے تیز تر کر دیں

بشیر ظفر نے کوڑوں کی سزاؤں کو انسانیت کی توہین قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ سزائیں سیاسی انتقام کے لئے دی جا رہی ہیں جو سراسر غیر آئینی اور غیر اسلامی ہیں۔ انہیں فوراً بند کیا جائے۔ آخر میں انہوں نے سرخ پرچم مزدور محاذ کے صدر جناب جعفر خاں کی رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے پنڈی کے مزدور رہنما جناب لقمان مرزا کو کوڑوں کی سزا دینے پر سخت احتجاج کیا اور کہا کہ انہیں فوراً رہا کیا جائے انہوں نے کہا کہ تمام مزدوروں، صحافیوں، ہاریوں اور طالب علموں کو فوراً رہا کیا جائے۔ ملک بھر میں، ظلم و ستم بند کیا جائے، صحافیوں کے مسائل جلد حل کئے جائیں۔

شہیدِ صحافت ابراہیم جلیس کی برسی

۲۶ اکتوبر کا دن ہر سال آتا ہے لیکن ۱۹۷۷ء سے اس دن نے پاکستان کی ادبی اور صحافتی تاریخ میں یادگار دن کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ یہ یاد اندوہناک اس اعتبار سے ہے کہ اس روز اردو زبان کا ایک بین الاقوامی شہرت رکھنے والا عوام دوست، ترقی پسند ادیب اور اپنے اخبار اور اس کے عملے سے دلی محبت رکھنے والا مدیر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا۔ یہ یاد اس لحاظ سے قابلِ فخر ہے کہ ایک انسان دوست انسان نے اپنی جان دے کر اپنے قول کو عمل سے ثابت کر دیا۔ یہ دن صحافتی تاریخ میں اس لئے انمٹ ہو گیا ہے، کہ آزادیٔ اظہار اور آزادیٔ صحافت کو محدود اور مقیّد کرنے کے خلاف ابراہیم جلیس کی موت ایک مسلسل احتجاج بن گئی جو اس وقت تک قومی ضمیر کو جھنجھوڑتی رہے گی جب تک یہ صورتِ حال موجود رہے گی۔

ہم یہ چند صفحات اس بڑے آدمی کو چھوٹے سے خراجِ عقیدت کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور اس وقت کے منتظر اور طلب گار ہیں۔ جب انہیں شایانِ شان خراجِ عقیدت پیش کیا جا سکے گا۔

(ادارہ)

ابراہیم جلیس

کی تحریروں نے خوابیدہ برصغیر میں بیداری پیدا کی

انسان اپنی موت کے بعد ان گنت یادوں کا مینار بن جائے تو موت اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتی ہے !!

محمد علی صدیقی

ابراہیم جلیس بھی رفتگان کی صف میں آ گئے۔ ان کی موت نے ان تمام افراد کو سوگوار کیا ہے جنہوں نے ان کے ہمہ دم مسکراتے ہوئے چہرے اور قہقہہ مارتے ہوئے وجود کو قریب سے دیکھا ہے وہ دوستوں کے دوست تھے سچ تو یہ ہے کہ وہ ان حضرات کے بھی دوست تھے جو ان سے منافقت برتتے تھے۔

ابراہیم جلیس اردو ادب کے افق پر ایک دھماکہ کے ساتھ وارد ہوئے جو حضرات آج سے ۳۵، ۳۶ سال قبل کے ابراہیم حسین، محبوب حسین جگر کے چھوٹے بھائی کی حیثیت سے جانتے تھے انہیں یہ علم نہیں تھا کہ اپنے شوق کے ابتدائی سالوں میں ابراہیم جلیس کے نام سے افسانے لکھنے والا نوجوان ۴۸-۱۹۴۷ء تک برصغیر گیر شہرت کا مالک بن جائے گا۔

"چالیس کروڑ بھکاری" اور "پبلک سیفٹی ریزر" جیسی کتابوں کے بعد ابراہیم جلیس اس قدر زیادہ مشہور ہو گئے تھے کہ مجھے بارہا محسوس ہوا کہ ۱۹۶۰ء کے بعد کا ابراہیم جلیس ۱۹۵۰ء سے قبل کے ابراہیم جلیس کے روبرو آتے ہوئے شرماتا تھا "جیل کے دن اور جیل کی راتیں" کی طباعت کے بعد ان کی زیادہ تحریریں فلمی دنیا سے متعلق تھیں کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے افسانہ یا طنز یہ بھی لکھ دیا لیکن انہوں نے یہ دور خاصی پریشانیوں میں گذارا۔ بعد میں "جنگ" میں کالم نگاری شروع کی۔ پھر "جنگ" اور "انجام" سے منسلک رہنے کے بعد روزنامہ "حریت" میں کالم نویسی کی اس کے بعد "عوامی عدالت" لگائی جو مساوات کی ایک سہ پہر کو جسم و جاں کے انقطاعِ تعلق پر منتج ہوئی۔

ایک عرصہ سے بلڈ پریشر کے مریض تھے اور اس دفعہ دماغ اور دل نے ان سے اجازت چاہی جان کنی کے آخری بیس گھنٹے آخری منظر ہی کی تیاری تھے اور اس طرح وہ شخص جو دوسروں پر ہنستے اور ہنسوانے خود درد پڑ جاتا تھا اس بار ایسا چپ ہوا کہ اب دوسروں کے لئے

صلائے عام ہے۔ جیسی جس کے گمان میں آئے وہ ابراہیم جلیس جس سے اختلاف رائے کیا جا سکتا تھا اب خاموش ہے اور اب اس ابراہیم جلیس کی زندگی شروع ہوئی ہے جو اپنا حسن و نثر ادب کے میدان میں چلا ہے گا ایک افسانہ نگار ایک طنز نگار اور ایک ڈرامہ نویس کی حیثیت سے انہوں نے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں، پھر عالم جوانی کی عنیت پسندی نے اُسے کیا کیا خواب دکھلائے اور اس کے بعد شکست خواب کی وہ گھڑی جب وہ کوچہ ادب سے دو نہیں گئے۔

ابراہیم جلیس نے اپنے ایک کالم میں بہت عرصہ پہلے اعلان کیا تھا کہ میں ایک نارمل آدمی بننا چاہتا ہوں یہ رویہ اپنے پیاروں کی بے اعتنائی کا جواب تھا

لیکن ابراہیم جلیس کے بے شمار مخلص دوست اس حقیقت سے واقف ہیں کہ وہ دنیائے ادب کی طرف مراجعت کا ذکر ہی تو معصومانہ انداز میں کیا کرتے تھے کہ خود ادب پر پیار آجاتا تھا وہ جب کبھی ملتے تو اس قدر محبت اور اپنائیت کے ساتھ کہ معاً یہ خیال گزرتا کہ ہم سے بہت بڑی کوتاہی سرزد ہوئی ہے ابراہیم جلیس نے اپنی تحریروں میں عسرت اور تنگدستی کا ذکر بہت مزے لے لے کر کیا ہے اور بعد میں جب ان کے دن پلٹے تو وہ سڑک پر پیدل چلنے والے دوستوں کو دیکھ کر اپنی گاڑی روک لیتے۔ بعض اوقات کافی دور سے پیچھے پلٹتے اور پھر یہ نہ پوچھتے کہاں چھوڑ دوں بلکہ کہتے کہ کہاں چلوں میں بہت سے دوستوں کے ساتھ ان کے حسن سلوک کی اس

کہانی چھیڑنا نہیں چاہتا لیکن ان حضرات کو جن پر حسن سلوک کے قصوں سے رقت طاری ہو جاتی ہے اس لمحہ اذنِ رقت ہے وہ تفصیل طلب ہوں تو میں یہ عرض کروں کہ کسی شخص کی عظمت اُس کے عزیب اور بچھڑے ہوئے دوستوں کے ان اشکوں سے ہویدا ہوتی ہے جو اپنے مربی دوست کے وداع کی سیاہ شام کو کسی کونے میں بیٹھ کر مرحوم کے بہت سے چھوٹے چھوٹے قصے کہنے بیٹھتے ہیں جنہیں ایک دوسرے سے چھپانے کے لیے وہ کیا کیا سوانگ رچاتے تھے ایک غمخوار دوست کی موت انہیں ایک دوسرے کے باب میں آئینہ رو کر دیتی ہے۔

ابراہیم جلیس لطائف کے رسیا تھے۔ بارہا انہیں محسوس ہوتا کہ لطائف جمع ہو رہے ہیں وہ یہ سوچ کر کانپ اٹھتے کہ زندگیوں کی آسودگیوں نے ان سے کیا کچھ چھین لیا ہے وہ ایسے موقعہ پر بہت دل گرفتہ ہو جاتے۔ اپنے بزرگ دوست۔ اور بمثل برادرِ بزرگ مسلم ضیائی کے انتقال پر وہ مجھ سے بار بار ایک ہی بات دہراتے رہے "ادب کے آباد کوچہ سے اس قدر تنہا موت ملی ہے مسلم ضیائی بھائی کو" بات ایسی ہی تھی اور میں چپ تھا کہ سچی بات کی سب سے بڑی داد خموشی ہے وہ خموشی جو سوچنے کی دعوت دے اور پھر سوچنے سے آزاد کر دے جب یہ دونوں کیفیات ساتھ ساتھ ہوں تو تنہائی ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ اور آدمی انجمن میں بھی تنہا ہو کر رہ جاتا ہے۔

آخری دنوں میں ابراہیم جلیس بہت مشغول رہے اپنے روزنامہ کی اشاعت کی معطلی کا غم۔ اپنے اسٹاف کے چہروں پر سوالیہ نشانات کے جوابات فراہم نہ کر سکنے کا غم۔ بظاہر یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ ہشاش بشاش ہوں لیکن وہ اندر ہی اندر شکست و ریخت کے عالم سے دوچار تھے ان کے آخری لمحوں کے ساتھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ لطائف کے رسیا ابراہیم جلیس ایک حادثہ بن کر رہ گئے تھے۔

جب زندگی کا دھاگہ ہی ٹوٹ جائے تو پھر کیا نغمہ کیا نوحہ، کیا شکوے، کیا حکایتیں، موت ہمیں صرف ایک مجموعی تاثر بیان کرنے کی دعوت دیتی ہے اور زندگی کا سب سے بڑا امتحان یہی ہے کہ مرنے والے کی موت سے زندگی پر پیار آجائے اس زندگی سے محبت بڑھے جو موت کے سرد ہاتھوں سے ابھی تک محفوظ ہے جب کوئی انسان اپنی وفات کے بعد ان گنت یادوں کا خیابان بن جائے تو پھر موت اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتی ہے۔ بے شک ابراہیم جلیس مر گئے لیکن نامساعد حالات میں بھی ان کے مسکراتے دیکھنے اور قہقہہ لگانے کا منظر ذہن پر اس طرح چسپاں ہے کہ جلیس کو قبر میں اتار کر بھی اس منظر کو اذنِ سفر نہیں ہے زندگی وہی ہے کہ جو تھی۔ اور جلیس۔ اس دنیا میں نہ رہتے ہوئے بھی۔ اپنی کتابوں اور اپنی یادوں کے حوالہ سے محفوظ ہیں۔

میں نے ان کی موت کے روز بہت سے ادبا اور دانشوروں کے چہروں پر بے نام سے فخر و انتشار محسوس کیا تھا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کہ اس تمام الفاظ کے ذریعہ وقت پر حاوی ہونے کی معصومانہ خواہش سرفراز ہو رہی تھی ایک ایسی فتح جو بہت سے ادبا کے لئے عسرت و تنگدستی کی زندگی گزارنے کی دعوت سے شروع ہوتی ہے اور پھر لگن، خلوص، ریاضت، مشاہدہ اور ادراک کی منزلوں سے گزرتی ہوئی کسی آن وقت پر چھلانگ لگا دیتی ہے کاش ہر ادیب اس لمحہ کا عارف ہو سکتا۔ غالباً ابراہیم جلیس اس صدی کے چوتھے اور پانچویں عشرہ میں اپنی جرأت مندانہ مساعی کی ثمر آوری سے واقف نہیں تھے۔ وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ ادب کی ترقی پسند تحریک نے برصغیر کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور اب ہر سیاسی پارٹی "روٹی کپڑا اور مکان" کی بات کہنے پر مجبور ہے خواہ یہ رویہ فریب دہی کی نیت ہی سے اختیار کیا گیا ہو اور جب

ابراہیم جلیس، میاں افتخار الدین اور چینی حکام کے ساتھ پیکنگ ایئر پورٹ پر

مندرجہ بالا دلیل سچی اور کھری ہے تو پھر "چالیس کروڑ بھکاری" کے مصنف کا شمار ادباء کی اس فہرست میں کیوں نہ کیا جائے جن کے ادبی شہ پاروں نے خوابیدہ برصغیر میں ایک مخصوص بیداری پیدا کی ہے اور ابراہیم جلیس اس بیداری کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں ●

سمندر اور ساحل

نصراللہ خان

جلیس کو مرحوم کہنا یوں ہے جیسے زندگی کو موت کہنا جو روتے ہوؤں کو ہنساتا ہے، مُردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے۔ وہ امر ہو جاتا ہے، مر نہیں سکتا۔

جلیس ایک طوفانی سمندر تھا۔ وہ اپنا راستہ روکنے والے ساحلوں سے برابر ٹکراتا رہا۔ سمندر اور ساحل کے اس ٹکراؤ سے بند سیپیوں سے بے شمار دُرّ بے بہا نکل کر ہمارے ادب کے دامن کی زینت بن گئے۔ اور پھر پاکستان کے قیام کے بعد سمندر کے سکوت اور ساحل کے کہر میں جیسے ساری ہی سیپیاں بانجھ ہو گئیں۔

جلیس باغی تھا لیکن وہ جذباتی بھی تھا تو ادب میں بغاوت نے اپنی منزل سر کر لی لیکن جب پاکستان میں بحالتِ مجبوری اس نے صحافت کے کوچے میں قدم رکھا تو ادیب جلیس ہم سے بچھڑ گیا۔ اور وہ صحافی جلیس کا جنم لے کر ہمارے سامنے آیا۔

جلیس اپنی باغیانہ فطرت کی بنا پر جو کچھ بننا چاہتا تھا وہ نئے حالات میں بن نہ سکا یہاں وہ کچھ اور ہی بنتا چلا گیا۔ پاکستان کا جلیس وہ جلیس نہیں تھا جسے وہ دکن میں چھوڑ کر آیا تھا۔ ان جلیسوں میں ہزاروں میل کا فاصلہ حائل رہا۔ اور اب تو مستقبل ہی بتائے گا کہ اس بُعد کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے۔ ساحل پر یا سمندر پر۔

اور جیسا میں نے پہلے عرض کیا ہے۔ جلیس جذباتی بھی تھا اور یہاں میں اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ آخر وہ انسان بھی تھا۔ اس کا کچا ساتھ تھا۔ اس کے بیوی بچے تھے۔ یہاں آکر بھی اُس پر کئی کئی دن کے فاقے گذرے۔ اسے اذیتیں پہنچیں۔ اس کا دل حالات سے پھوڑا بن گیا۔ اور کمال تو یہ ہے ان حالات میں بھی اُس نے اپنا دُکھ نہیں بانٹا۔ وہ اپنا زہرِ غم مزے لے لے کر پی گیا۔

ہنسنے والو! کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ جلیس کے دل پر کیا گذر گئی۔ مزاح نگار اپنے آنسو پی کر تمہارے ہونٹوں پر ہنسی لاتا ہے۔ تمہاری ایک ہلکی سی ہنسی کے لئے اسے کتنے آنسو پینا پڑتے ہیں۔ جب مزاح نگار کا دل خون ہو جاتا ہے تو پھر نہیں اس کے مزاح میں پھولوں کی باس اور ستاروں کی روشنی پیدا ہوتی ہے تو اس میں گدگدی بھی ہوتی ہے۔

جلیس لوگوں کو ہنسانے کے لئے لوگوں کی کمزوریوں اور محرومیوں کی ہنسی نہیں اڑاتا۔ ایسی ہنسی تو اسکولوں کے طالب علم بھی اڑایا کرتے ہیں۔ وہ اپنے مزاح کا ہدف خود بنتا ہے۔ اور یہ بڑی مردانگی ہے بلکہ طنز و مزاح کی اعلیٰ صفت بھی ہے۔

پچھلے پندرہ برس سے برصغیر اور بالخصوص وطنِ عزیز کے حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ یہاں سوچنے والوں کا جینا مشکل ہے تو اس ماحول میں لکھنے والے کیونکر پنپ سکتے ہیں۔ ٹلّے نویسی کی بات اور ہے۔ اب لکھنے کے لئے یا تو سیاست رہ گئی ہے یا صحافت، اور صحافت کا ادب سے دور پرے کا جو رشتہ تھا، وہ بھی منقطع ہو گیا اور صحافت سیاست کا آئینہ بن گئی۔

حالات سے مصالحت قلم کار کی موت ہے۔ کچھ مر گئے جو رہ گئے وہ سسک رہے ہیں تو ثواب لوٹنے کے لئے ان پر بھی فاتحہ پڑھ لیجئے۔

جلیس میرا ہم قلم تھا۔ ہم کالم تھا اور پندرہ برس سے ہم محلہ بھی۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس کا شمار ان منافقوں میں نہیں ہوتا جو اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ۔ ایسے منافق اپنے لئے کم اور دوسروں کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ میں جلیس کو ان منافقوں کے زمرے میں رکھتا ہوں جو باہر سے جو کچھ ہیں وہ اندر سے بہتر ہیں۔ ایسے منافق خود اپنی جان کے دشمن ہوتے ہیں اور جلیس کا سب سے بڑا دشمن وہ خود تھا۔ اس کی زندگی کے اس المیے پر میں اس کی زندگی میں جتنا رویا اس کی موت پر اس سے کچھ زیادہ ہی رویا۔

جلیس بچے سے بھی زیادہ معصوم تھا۔ انتہائی بھولا۔ دو چار ملاقاتوں میں یوں لگتا کہ جیسے وہ انتہائی مکار ہے۔ لیکن آپ جتنا اس کے قریب آئیں گے۔ آپ کو یہ احساس ہوگا کہ جیسے یہ سب پیاز کے چھلکے ہیں جو اس نے اپنے اوپر چڑھا لئے ہیں۔ وہ اپنے بارے میں افسانے گھڑتا۔ یوں لگتا کہ جیسے وہ کسی جاسوسی ناول کا کردار ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اسے قریب سے دیکھا۔ جلیس کی بھولی بھالی باتوں اور معصومانہ شرارتوں سے ان کے پیار میں اور اضافہ ہو جاتا۔ اس مختصر سے مضمون میں جلیس کو کوئی کیسے سمیٹ سکتا ہے۔ خیر مضمون تشنہ رہ جائے تو رہ جائے۔ جلیس بھی تو تشنہ ہی گیا اور جلیس سے پیار کرنے والوں کا پیار بھی تشنگی کی نذر ہوا ہے۔

لاڑکانہ
نواز عمرانی

پولیس جوتوں سمیت مسجد میں گھس گئی

محنت کش اپنی تحریک کو نیا رُخ دینگے جس کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی

بہیمانہ تشدد کے لئے

دو ٹارچر سیل بنا دیئے گئے

★ الائیڈ ٹیکسٹائل مل کھولا جائے۔

★ چودہ سو پچاس مزدوروں کے بقایاجات چالیس لاکھ روپے فوراً ادا کیئے جائیں۔

★ سندھ ہائی ویز ٹیکنیکل اسٹاف کو مستقل کیا جائے۔

★ سندھ ہائی ویز کے ملازمین کو ۱۹۷۲ء کا نیشنل پے اسکیل دیا جائے۔

★ لاڑکانہ شوگر مل نوڈیرو کو تباہ کرنے والی پالیسیاں فوراً ختم کی جائیں۔

★ مزدوروں کے اوپر لگائی جانے والی ساری پابندیاں فوراً ختم کی جائیں۔

★ مزدوروں ہاریوں، شاگردوں، صحافیوں کے سارے مطالبات تسلیم کیئے جائیں۔ گرفتار شدہ سارے کارکنوں کو فوراً رہا کیا جائے۔

یہ مطالبات منوانے کے لئے تحریک کا آغاز کیئے اٹھاون دن ہو چکے ہیں۔ اور تادم تحریر ۳۰۲ مزدور پاکستان چوک لاڑکانہ پر گرفتاریاں دے چکے ہیں اور ۱۶۰ کارکنوں کو گھروں پر چھاپے مار کر گرفتار کیا جا چکا ہے حال ہی میں لاڑکانہ لیبر فیڈریشن کے جنرل سیکریٹری عزیز عباسی کے گھر پر چھاپہ مار کر اس کے بوڑھے والد کو گرفتار کر کے لے گئے اس کے علاوہ فیڈریشن کے صدر جناب عبدالقادر ملکانی کے گھر پر چھاپہ مارا اور اس کے والد اور دس سال کے بچے الطاف ملکانی کو گرفتار کر کے لے گئے

اسی چھاپے کے دوران چالیس کے قریب اور مزدوروں کو پکڑ کر لے گئے اور ہر آدمی سے مبینہ طور پر دو سو روپے رشوت لے کر رہا کیا گیا تحریک کے سلسلے میں حمایت کرنے والی یونینوں، اور تنظیموں کے رہنماؤں کے گھروں پر چھاپے مار کر گرفتار کیا گیا۔

اس عمل کی ابتدا رسیلرا گاؤں پر جمعہ کے دن جامع مسجد پر چھاپہ مارا اور نماز پڑھنے والے غریب کسانوں کو پکڑنے کے لیئے پولیس جوتوں سمیت مسجد میں گھس آئی اور وہاں نمازیوں کو خوب مارا پیٹا گیا اور تقریباً بیس آدمی گرفتار کر کے لئے گئے پولیس نے نمازیوں کو نماز پوری کرنے کی بھی اجازت نہیں دی اور انہیں نماز پڑھتے ہوئے لے گئے۔

اس کے بعد ڈوکری پولیس اسٹیشن نے بھی اپنا فرض اچھی طرح سے پورا کیا لاڑکانہ لیبر فیڈریشن کے خزانچی ایگزیکیٹو کمیٹی کے رکن حیدر جولیو کے گھر پر رات کو چھاپہ مارا اور بغیر وارنٹ زبردستی گھر میں گھسنے کی کوشش کی۔ اور گھر میں موجود عورتوں اور بچوں کے ساتھ بدکلامی کی یاد رہے کہ ڈوکری پولیس اس واقعے سے پہلے بھی حیدر جولیو کی بیوی اور بچوں کو پندرہ دن تک تھانے میں بند رکھ چکی ہے پولیس حیدر جولیو کو گرفتار کرنے میں ناکام ہونے کے بعد اس کے چھوٹے بھائی میرل جولیو کو گرفتار کر کے سندھ کرائم کنٹرول ایکٹ میں چالان کیا۔ میرل جولیو ٹی بی کا پرانا مریض ہے پولیس نے میرل جولیو کو باہر سے دوائیاں لینے سے روک رکھا ہے اور خود حکام بھی اس کا علاج نہیں کرا رہے۔

حال ہی میں پروگریسو یوتھ سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے دو کارکنوں نے فیڈریشن کے مطالبات منوانے کے لیئے فیڈریشن کے حکم پر گرفتاریاں پیش کیں ان شاگردوں کو پولیس نے دامراہا پولیس اسٹیشن لے جا کر تشدد کیا ان کی ملاقات بند کی گئی دونوں طالب علموں کو چار دن تک کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دی گئی۔ ابھی تک ان طالب علموں کو کسی جیل نہیں بھیجا گیا۔ اور نہ ہی ان کے متعلق کوئی خبر ہے اس کے علاوہ پولیس نے مزدوروں کو تشدد کا نشانہ بنانے کے لیئے دو ٹارچر سیل قائم کیئے ہیں پہلا سیل دامراہا تھانہ ہے جو لاڑکانہ سے چھ کلومیٹر دور نوڈیرو روڈ پر واقع ہے دوسرا باقرانی تھانہ جو لاڑکانہ سے آٹھ کلومیٹر دور محب جو واڑو روڈ پر واقع ہے۔

مزدوروں کو گرفتاریاں پیش کرتے وقت مارا پیٹا جاتا ہے ان کا گلا دبایا جاتا ہے اور ان کی آنکھوں پر سیاہ پٹیاں باندھی جاتی ہیں ٹرک میں لٹا دیا جاتا ہے اور پولیس اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے ڈنڈوں کی بارش کی جاتی ہے جب مزدور گرفتاریاں پیش کرنے آتے ہیں تو پورا چوک نعروں سے گونجنے لگتا ہے دن کے تین بجے سے عوام جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور رات کے سات بجے تک چوک پر جمع رہتے ہیں پولیس عوام کو منتشر کرنے کے لیئے بار بار لاٹھی چارج کرتی ہے عوام کو گالیاں دیتی ہے حال ہی میں پولیس کے لاٹھی چارج سے کئی آدمی زخمی ہوئے ہیں ان میں سے ایک ساٹھ سال کا بوڑھا یونانی حکیم بھی زخمی ہو گیا۔ اس زخمی کو چوک پر جمع عوام نے خود اٹھایا اور سول اسپتال لے گئے۔

پولیس مزدوروں کو گرفتار کر کے ایس پی اور ڈی سی کے سامنے پیش کرتی ہے یہ دونوں افسر مزدوروں کے ضمیر خریدنے کی کوشش کرتے ہیں مزدوروں کے سامنے نوٹوں کی گڈیاں رکھتے ہیں لیکن آج تک کسی مزدور کو خرید نہیں سکے۔ کیونکہ یہ تحریک حق اور سچ پر مبنی ہے اور حق لینے کے لیئے چل رہی ہے آج تک حق اور سچ کو دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکی۔

مزدور رہنماؤں کا موقف ہے کہ حکام نے دس جولائی کو ہمارے مطالبات تسلیم کیئے تھے۔ اور ان پر عملدرآمد کے لیئے پندرہ دن کا وقت مانگا تھا لیکن ہم نے ان کو ایک ماہ کا وقت دیا پھر بھی حکام مطالبات پر عمل کرنے میں ناکام رہے ہیں جس کے بعد ہم نے دوسری مرتبہ ۱۸ اگست سے تحریک چلائی ہے جو ابھی تک

جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہمارے مطالبات پر مکمل عملدرآمد نہیں ہوتا

پولیس گورنر سندھ کی اس یقین دہانی کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہی ہے گورنر نے یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ حکومت کسی بھی غریب شہری کے خلاف سندھ کرائم کنٹرول اور دفعہ ۱۰۹، ۱۱۰ استعمال نہیں کرے گی لیکن پولیس آج بھی انہی قانونوں کے تحت مزدوروں کے والدین کو گرفتار کر کے ان قلموں کے تحت چالان کر دی ہے شریف شہری اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس شخص کے خلاف آج تک کوئی کیس داخل نہیں ہوا ہو جس نے آج تک تھانہ نہ دیکھا ہو پھر بھی انہی غریبوں کو ان قلموں میں چالان کیا جاتا ہے اس بات کا گواہ مختلف تھانوں کا ریکارڈ ہے آج کل پولیس پاکستان چوک کے چاروں طرف سے آنے والے راستوں کی ناکہ بندی کرتی ہے کہ مزدور اپنی مقررہ جگہ گرفتاریاں پیش نہ کر سکیں لیکن مزدور ہر روز پاکستان چوک پر ہی گرفتاریاں پیش کرتے ہیں آج تک پولیس ان جیالوں کو مقررہ جگہ سے پہلے کبھی گرفتار نہیں کر سکی. آج تک جن مزدور رہنماؤں نے گرفتاریاں پیش کی ہیں یا جو چھاپوں میں گرفتار ہوئے ہیں ان کا مختلف یونینوں، ہاری تنظیموں سے تعلق ہے، صدر سندھ ہائی ویز یونین عبدالکریم بلوچ، مرکزی چیرمین سندھ ہائی ویز امیر حمزہ، جنرل سیکرٹری الائیڈ ٹیکسٹائل مل محمد قاسم بلوچ، جنرل سیکرٹری بیڑی ورکرز یونین رتوڈیرو غلام عباس، جنرل سیکرٹری بیڑی ورکرز یونین شہداد کوٹ محرم میر حب، صدر بیڑی ورکرز یونین شہداد کوٹ آزاد علی منگریو، جنرل سیکرٹری بیڑی ورکرز نصیر آباد حاجی محمد پناہ، صدر رائس فیکٹری یونین قنبر یونٹ محمد یعقوب بلوچ صدر بیڑی ورکرز یونین قنبر غلام شبیر گوپانگ، صدر رائس فیکٹری ورکرز یونین شہداد کوٹ یونٹ گل محمد بلوچ، سہراں ورکرز یونین شہداد کوٹ صدر سیانو خان بلوچ جنرل سیکرٹری سہراں ورکرز یونین شہداد کوٹ منظور علی خان، جنرل سیکرٹری ہاری تنظیم سیدا گوٹھ کے صدر منظور علی اور عرس سیرو، صدر کنسالیڈیٹ ٹیکسٹائل مل لاڑکانہ گل حسن جمالی، اور اسی مل کا جنرل سیکرٹری حیدبخش بلوچ، پروگریسو جیسے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن مرکزی آرگنائزر منظفر کلہوڑا، صادق بزدی علی مرداں پیرزادہ، احسان جویو، لاڑکانہ لیبر فیڈریشن اگیزیکیٹو کمیٹی کے رکن حق نواز، اے ڈی اے یونین موہنجوڈرو، گلاب پیرزادہ، لاڑکانہ لیبر فیڈریشن اگیزیکیٹو کمیٹی کے رکن حق نواز، سہیل سرمست کالج شاگرد سنگت، کے صدر حیدبخش شہوانی، بیڑی ورکرز یونین ڈوکری کے جنرل سیکرٹری غلام حسین خاصخیلی لاڑکانہ شوگر مل نوڈیرو کے صدر حسین شاہ بخاری، نائب صدر گل محمد لاہوتی، خزانچی پرویز اور سیکرٹری اطلاعات منظور سومرو شامل ہیں۔

سانگھڑ • ایاز سندھی

سول ہسپتال کو کوبرے سانپ سے بچائیے

سانگھڑ کی پسماندگی اور یہاں کے عوام کی زبوں حالی صدیوں سے یہاں کے ارباب اختیار کی نظر میں رہی ہے اور پھر بدقسمتی کی بات یہ بھی ہے کہ اس پسماندگی کا سد باب کسی بھی دور میں نہیں کیا گیا ادھر یہ حالت ہے کہ لوگ ننگے اور بھوکے رہ جائیں یا درد اور بیماری سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیں تو بھی کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہوتا اس طرح جنگل کے قانون کا عالم یہ ہے کہ لوگوں کو قانون کی حدود میں رہ کر اپنا حق مانگنے پر بھی مختلف سزاؤں سے گذرنا پڑتا ہے جدھر دیکھیے حکومت کی مشینری کا کوبرا سانپ پھن اٹھائے بیٹھا ہے۔ بوقت ضرورت کوئی غریب کسی بھی ضرورت کے تحت کسی بھی محکمے میں جانے سے پہلے یہ ضرور سوچ کر جاتا ہے کہ اس کوبرا سانپ کا اسے ضرور سامنا کرنا پڑے گا۔

ہم چونکہ ایک ایسے پیشے سے وابستہ ہیں جن کو شب و روز سرکاری مشینری کی کارکردگی کا جائزہ لینا پڑتا ہے بلکہ بعض اوقات ان ضرورت مند افراد کے عوض ہمیں ان کوبرے سانپوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

سانگھڑ کے سول اسپتال میں کوبرے سانپ کی موجودگی سے شاید کوئی انکار نہ کر سکے اس کوبرے نے نجانے کتنی معصوم زندگیاں تباہ کی ہونگی۔

سادہ لوح مریضوں پر بڑا ہی ترس آتا ہے جب وہ اپنی بے بسی کا رونا روتے ہوئے ہر آنے جانے والے شخص سے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہیں اور اسپتال والوں کے رویے کا ذکر کرتے ہیں. لیکن جہاں تک سوچنے کا مقام ہے کہ ان کے ہی سامنے انکے کئی بھائی اور بیٹے بغیر علاج کے دم توڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پھر یہ گلے شکوے چہ معنی دارند۔

ہماری باتوں سے کسی معزز ہستی کو شاید تکلیف بھی محسوس ہو مگر ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ان کی تکلیف سے زیادہ ہمیں ان غریب اور مظلوم لوگوں کی تکلیف عزیز ہے جو صبح اور شام سانگھڑ کے اہم اسپتال میں کھلے میدان میں اپنی موت کی باری کا انتظار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں آخر میں ہم ان محنت کشوں سے اپیل کرینگے کہ موجودہ موسم میں کپاس کی بوری اٹھانے والے مزدور ذرا احتیاط سے کام کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جسم کا کوئی حصہ ٹوٹ جائے اور اپنی غلطی سے سانگھڑ کے اسپتال سے رجوع کرنا پڑے اور سلامت اعضاء سے ہاتھ دھونا پڑیں. بُرا محسوس نہ ہو تو شفاخانہ کا بورڈ ہٹا کر "مرگ خانہ" کا بورڈ آویزاں کر دیا جائے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت ہمارے جیسے جاہل مریضوں کے کام آئے باقی دوسرے کوبروں کا ذکر فی الحال اسی لیئے ملتوی کر دیا ہے کہ میرا ایک ہاتھ کام کر رہا ہے جبکہ دوسرا ہاتھ کسی کوبرے کا شکار ہو چکا ہے.

بھٹو صاحب کے دور حکومت میں ہم نے تفریحی پروگراموں کی بڑی دھوم دھام رکھی تھی اور ان میں عوامی میلوں سے لے کر بڑے بڑے جشنوں کا اہتمام ہوتے دیکھا جس میں کچھ لوگوں نے تو نام پیدا کیا اور کچھ نے اپنے قدموں میں اضافہ کیا کچھ سیاہ سفید کے مالک بنے اس کے بعد ان تمام کارگزاریوں کے وائٹ پیپر نے لیکن افسوس کا مقام یہ بھی ہے کہ ان وائٹ پیپروں میں پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور مخلص ارکان کے نام بڑی بڑی جلی سرخیوں سے شائع کیئے گئے مگر ان چرافراق کے نام نہیں دیکھے گئے . اور نہ پڑھنے میں آئے جنہوں نے ایسی تقریبات سے لاکھوں روپے کمائے اور

چاندی اور سونے کے محل تعمیر کیئے یہی حال ان افسران کا آج بھی ہے چہرے وہی ہیں مگر انداز بدل گئے ہیں پہلے عوام کو مطلع کر کے پروگرام تشکیل دیا جاتا تھا مگر اب پردے میں کھیل تماشہ کر کے عوام کو بے وقوف بنایا جاتا ہے اس سلسلہ میں ہمیں کسی طوالت میں جانے کا شوق نہیں صرف ایک دو باتوں کا ذکر کرتا ہے حال ہی میں سانگھڑ کے مختلف شہروں میں خواتین کی دلچسپی کے لیئے "مینا بازار" لگانے کی کھسر پھسر کی اطلاع ملی۔ اس کے بعد قریبی ذرائع سے ہمیں معلوم ہوا کہ سانگھڑ میں مینا بازار کا اہتمام کچھ اس طرح سے ہوا کہ مینا بازار میں خواتین کم اور مرد حضرات زیادہ نظر آئے اس کے علاوہ عوام دیہی اور شہری خواتین کو مدعو کرنے کی بجائے افسران کی چہیتی بیگمات اور چند ایک منظورِ نظر استانیوں کو مدعو کیا گیا حیرت اس بات پر بھی ہے کہ دو روزہ اس عظیم اور مار دھاڑ سے بھرپور پروگرام کو اس خفیہ انداز میں پیش کیا گیا کہ مقامی صحافیوں کو بھی خبر نہ لگی۔ آمدنی اور اخراجات کے حساب کتاب لینے کا حق تو ہم نہیں رکھتے لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آمدنی اخراجات سے کہیں زیادہ ہوئی ہے لیکن یہ آمدنی کس کے تعیش کا سامان بنے گی اس کا جواب مقامی سوشل ویلفیئر آفیسر دیگے یا پھر وہ حضرات جنہوں نے ٹکٹ فروخت کیئے شہدادپور میں بھی اس قسم کے دھندے کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا ہے اور وہاں بھی غریب لوگوں سے دھونس اور دھمکیوں کے ذریعے چندہ وصول کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ سانگھڑ کی طرح شہدادپور کے شہریوں کو بھی بے وقوف بنا کر جیب گرم کی جائے۔

●

کھپرو

ہسپتال آئے تو دھکے دے کر نکال دوں گا

تحصیل کھپرو میں عوام کی طبی سہولت، علاج و معالجہ کے لئے پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے تعلقہ ہسپتال تعمیر کرایا۔ جس کی تعمیر پر تقریباً ۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں اس ہسپتال کی کارکردگی اچھی رہی لیکن گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ کارکردگی ناقص سے ناقص تر ہوتی گئی اور اب نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ خواتین مریضوں کے لئے لیڈی ڈاکٹر ہے اور نہ کوئی نرس، ڈاکٹر صاحب حسب معمول غائب رہتے ہیں۔ ڈاکٹر کی لاپرواہی کی بنا پر دیگر اسٹاف بھی مریضوں اور صفائی پر توجہ نہیں دیتا۔ صفائی نہ ہونے کی وجہ سے ہسپتال میں مچھروں اور مکھیوں کی بھرمار ہے۔ سرکار ادویات اور انجکشن وغیرہ ہسپتال کو دیتی ہے۔ لیکن ان کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا بلکہ تمام اچھی ادویات اور انجکشن ہضم کر لئے جاتے ہیں اور مریضوں سے کہا جاتا ہے کہ حکومت کے پاس فنڈ نہیں۔ وہ ادویات اور انجکشن فراہم نہیں کر سکتی۔ اگر تمہیں علاج کرانا ہے تو دوائیں اور انجکشن بازار سے خریدو۔ یا ہمیں پیسے دے دو ہم بازار سے منگوا دیں گے۔

بتایا جاتا ہے کہ آتش زدگی کی وجہ سے ایک شخص جل گیا اُسے رات کے وقت ہسپتال لایا گیا۔ اُس وقت ہسپتال میں نہ ڈاکٹر تھا اور نہ کمپاؤنڈر، مریض دو گھنٹے تک بغیر کسی طبی امداد کے رہا۔ خدا خدا کر کے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے اور آتے ہی کہا کہ ہمارے پاس انجکشن اور دوائیں نہیں ہیں، بازار سے منگوا کر دیں تاکہ علاج کر سکوں۔ چنانچہ مریض نے دو سو روپے دیئے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ایک ہاری کے ساتھ پیش آیا وہ اپنی بیوی کو علاج کی خاطر ہسپتال لے کر آیا۔ اسٹاف کے ایک رکن نے بازار سے دوائیں اور انجکشن خریدنے کے لئے کہا، اس پر ہاری نے جواب دیا "میں غریب آدمی ہوں، بھٹو نے یہ ہسپتال غریب لوگوں کا مفت علاج کرانے کے لئے بنوایا تھا۔ آپ پیسے کیوں مانگ رہے ہیں" اسٹاف کا رکن یک دم غصہ میں آگیا اور بولا "تم نے بھٹو کا نام کیوں لیا۔ آئندہ اس ہسپتال میں نہیں آنا۔ اگر آؤگے تو دھکے دے کر نکال دوں گا۔ جانتے نہیں اب میری پارٹی کی حکومت ہے۔"

ایسے واقعات روزانہ ہوتے رہتے ہیں لیکن اس طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اور صورت حال دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔"

ٹنڈو الہ یار

دو ہاریوں کا اغواء

پولیس نے رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا

سندھی ہاری کمیٹی کے ایک پریس ریلیز کے مطابق گذشتہ دنوں جیمبر تعلقہ ٹنڈو اللہ یار کے دو زمینداروں نے مبینہ طور پر سندھی ہاری کمیٹی کے دو ہاری کارکنوں اچار ماچھی اور محمد ماچھی کو اپنے پالتو غنڈوں کے ذریعہ اغواء کرا لیا۔ اور نامعلوم مقام پر ان پر تشدد کیا جا رہا ہے تاکہ وہ مظلوم ہاریوں کی حمایت کرنا اور سندھی ہاری کمیٹی کے پرچم تلے کام کرنا چھوڑ دیں۔

گذشتہ دنوں مذکورہ زمینداروں نے اپنے ان ہاریوں کو زمین سے بے دخل کر دیا تھا جنہوں نے ان سے گزشتہ برس کی کپاس کی فصلوں سے لے کر آج تک کے غصب شدہ حصے کا حساب کتاب کرنے کا مطالبہ کیا تھا اور تحصیلدار کی عدالت میں ایک مقدمہ بھی دائر کیا تھا ان زمینداروں نے بجائے اس کے کہ ان کے جائز حصے انہیں ادا کرتے انہیں نہ صرف زمینوں سے بے دخل کر دیا تھا بلکہ ان پر جھوٹے مقدمات بنانے پولیس افسران سے ملکر گرفتار کرانے کی دھمکیاں دینے اور غنڈوں سے پٹوانے کی انسانیت سوز روش اختیار کی اس روش کے خلاف جب سندھی ہاری کمیٹی کے کارکنوں اچار ماچھی اور محمد ماچھی نے آواز اٹھائی اور اخبارات میں ان زمینداروں کے خلاف بیان دیا تو ظالم زمینداروں نے انہیں اغواء کرا لیا۔ اور وہ تا حال لاپتہ ہیں۔ خیال اغلب ہے کہ انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہوگا۔

۱۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی رات کو مرنے والی الحسن

خودسوزی کی تحریک پنجاب کی سرحد عبور کرکے سندھ میں داخل ہوگئی

پولیس عبدالعزیز کے والد سے "مثبت نتائج" حاصل کرنے کے لئے "محنت" کر رہی ہے!

ارشد حسین

پنجاب کی سرحد پار کرنے کے بعد، سندھ کا پہلا بس اسٹاپ اوباڑو ہے، جہاں سے ایک راستہ کشمور، گدو بیراج کو جاتا ہے۔ تو تھوڑے ہی فاصلہ پر نیشنل ہائی وے پر امریکی ڈالروں سے بنی ہوئی مشہور و معروف کھاد فیکٹری ہے۔ اوباڑہ بس اسٹاپ سندھ کے دیگر تعلقہ ہیڈ کوارٹروں کی طرح خاموش اور سویا سویا سا قصبہ ہے۔ جہاں میلی پگڑی اور اُلجھی داڑھیوں والے ہاری اور مضبوط جسموں والے محنت کش مختیار کار آفس میں پٹے داروں اور سپروائزروں کے آگے دست بستہ کھڑے بے بسی اور لاچاری کی تصویر نظر آتے ہیں۔ بس اسٹاپ کے قریب چند چھوٹے موٹے ہوٹل ہیں۔ جہاں یہ مقدموں کے ستاتے ہوتے غریب چند لمحوں کے لئے سستانے بیٹھ جاتے ہیں۔ یا پھر دیہاتی ضروریاتِ زندگی سے بھری کچی پکی گنتی کی دکانیں ہیں۔ جہاں غریب دیہاتی اپنی برسوں کی محنت کی کمائی منٹوں میں دوکاندار کے حوالے کر دیتے ہیں۔ نیشنل ہائی وے پہ بسیں آتی ہیں۔ لوگ اترتے ہیں اور لوگ چڑھتے ہیں۔ جیسا کہ ہر بس اسٹاپ پر ہوتا ہے۔ لیکن یہ گمنام بس اسٹاپ بحالی جمہوریت اور بھٹو کی رہائی کی تحریک میں ایک تاریخی مقام حاصل کر گیا۔ جب نوجوان عبدالعزیز بھٹو ایک بس سے اُترا اور جیئے بھٹو کے نعرے کے ساتھ ہی چلتے پھرتے شعلے میں تبدیل ہوگیا۔ ایک سیکنڈ کے لئے آس پاس کھڑے لوگ حیران رہ گئے اور پھر وہ اس جلتی آگ کو بجھانے دوڑے۔ عبدالعزیز بھٹو کے جسم سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے، لیکن اس کی زبان پر صرف ایک ہی نعرہ تھا "جیئے بھٹو"۔

اس طرح 'خودسوزی' کی تحریک پنجاب کی سرحد عبور کرکے سندھ میں داخل ہوگئی۔

لوگ عبدالعزیز کو بچانے دوڑتے اور پولیس اُسے گرفتار کرنے کے لئے بھاگی۔ لیکن تھانے میں آگ کی سوزش اور پولیس کا تشدد اس کے لبوں سے 'آہ' یا 'ہائے' نہ کہلوا سکا بلکہ وہاں بھی وہ مسلسل 'جیئے بھٹو' کے نعرے لگاتا رہا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔ چنانچہ جب حالت نازک ہوگئی تو پھر انتظامیہ حرکت میں آئی اور سکھر سے ایمبولینس منگوائی گئی اور رات کی تاریکی میں اسے اوباڑو سے ۶۰ میل دور، سکھر سول ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ تادم تحریر عبدالعزیز ہسپتال میں داخل ہے اور اُس کے اطراف پولیس کا سخت پہرہ ہے۔ جیسا کہ کسی خطرناک قاتل اور خونی کے لئے ہوتا ہے۔ صحت یاب ہونے پر عبدالعزیز کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ فی الحال عبدالعزیز کا والد پولیس کی تحویل میں ہے اور اُس سے 'مثبت نتائج' حاصل کرنے کے لئے "محنت" کی جا رہی ہے۔ سُنا ہے کہ اوباڑہ پیپلز پارٹی کے سرکردہ لیڈروں کو کسی نہ کسی طرح ملوث کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ اس ضمن میں ایک سابق ایم پی اے جو تازہ تازہ پی این اے میں شامل ہوتے ہیں، بھاگ دوڑ میں مصروف ہیں۔

عبدالعزیز کا رضاکارانہ طور پر "خودسوزی" کے لئے پیش ہونا، پیپلز ایکشن کمیٹی کی طرف سے ہدایات یا کسی طے شدہ لائحہ عمل کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ملک کے موجودہ حالات، ظلم و جبر کی فضا اور بھٹو کے لئے والہانہ محبت کے جذبات نے عبدالعزیز کے دل میں 'مشعلِ جاں' جلانے کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

اور ادھر سندھ کے تیسرے بڑے شہر سکھر کی پیپلز پارٹی نے ورکروں کے جذبات کی کھولتی کیتلی پر سے ڈھکنا اٹھا دیا ہے۔ چنانچہ ۱۵ اکتوبر کو ایکشن کمیٹی کی طرف سے غلام قادر بھٹو ممبر سٹی ورکنگ کمیٹی کی قیادت میں چار پارٹی کارکنوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ شام چار بجے ہی سے پارٹی ورکر اور عوام انڈس ہوٹل کے سامنے جمع ہونا شروع ہوگئے تھے اور پولیس اُن چار جیالے کارکنوں کو تلاش کر رہی تھی کہ جیسے ہی نشاط سینما کا شو ختم ہوا گرفتاری پیش کرنے والے کارکن "جیئے بھٹو" کے نعرے لگاتے ہوتے نمودار ہوتے۔ موقع پر موجود کارکنوں نے ان کو ہار پہناتے اور عوام نے پُرجوش طریقہ سے نعروں کا جواب دیا۔ اور پولیس نے اپنا کام کیا۔ یعنی وہ گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتار شدگان کو تھانہ اے سیکشن میں لانے تک ہزاروں کا مجمع نعرے لگاتا جمع ہوگیا اور تھانہ میں ان کارکنوں کو پولیس کے سخت پہرہ میں لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔

اور یوں سکھر شہر کے کارکنوں کی ظلم و ستم کے خلاف آواز، بحالی جمہوریت اور بھٹو کی رہائی کے لئے پورے ملک میں بلند ہونے والی صدائے احتجاج میں شامل ہوگئی۔

اغوا کی سنگین واردات کے خلاف جب ہاری کارکنوں کے رشتہ دار اور دیگر گاؤں والے جھمبڑ تھانے میں فریاد لکھوانے گئے تو پولیس نے جو کہ زمینداروں کی سب سے بڑی خیر خواہ ہے نہ صرف رپورٹ درج کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ فریادی افراد کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا اور انہیں دھمکی دی کہ آئندہ کبھی ادھر کا رخ کیا تو حوالات میں بند کر دیا جائیگا۔

سندھی ہاری کمیٹی ضلع حیدرآباد کے کنوینر گہرام میرجت اور تحصیل ٹنڈوالٰہ یار کے کنوینر لالو عاقلانی نے اس بہیمانہ واقعہ کی پرزور الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ جھمبڑ پولیس زمینداروں کے اشاروں پر ان علاقے کے ہاریوں کو مشتعل کرکے امن و امان کو تباہ کرنے کے در پے ہے اگر متعلقہ حکام نے اس طرف توجہ نہیں دی تو کسی وقت بھی صورتحال قابو سے باہر ہو سکتی ہے انہوں نے مطالبہ کیا کہ اغوا شدہ ہاری کارکنوں کو فوراً آزاد کرایا جائے اور اس مذموم حرکت کے ذمہ دار مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے تاکہ پھر کسی زمیندار اور ان کے اشاروں پر ناچنے والے پولیس افسران کو خلاف قانون حرکات کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔

ٹنڈوجام • نورالسیف غوری

پانی کی فراہمی ناقص، سڑکیں ٹوٹی ہوئیں، بیروزگاری تشویشناک

شہری کمیٹی میں سرکاری ملازم شامل کئے گئے ہیں

ٹنڈوجام کی آبادی تقریباً سولہ ہزار نفوس پر مشتمل ہے یہ شہر چند اداروں کی وجہ سے کافی مشہور ہے زرعی یونیورسٹی، اگریکلچرل ورکشاپ، اٹیمک پروجیکٹ کپڑا بنانے کا کارخانہ جو ماڈرن ٹیکسٹائل ملز کے نام سے مشہور ہے اس میں تقریباً دو ہزار مزدور کام کرتے ہیں جننگ فیکٹری وغیرہ وغیرہ،

مگر ٹنڈوجام کے مسائل میں آجکل تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے بڑھتی ہوئی مہنگائی سے غریب اور بے روزگار افراد کافی پریشان ہیں، ٹنڈوجام کے شہری ٹاؤن کمیٹی کو ہر قسم کا ٹیکس دینے کے باوجود بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں واٹر سپلائی کا نظام تقریباً ۹ ماہ سے مسلسل بند ہے جس کی وجہ سے تمام شہری پانی جیسی ضروری شیئے سے محروم ہیں سڑکیں تمام جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں۔ رستم شہید روڈ سے برکت شہید روڈ، اسٹیشن روڈ پر بڑے بڑے کھڈے پڑ گئے ہیں جس سے آمد و رفت اور ٹریفک کو بڑی دشواری ہوتی ہے تمام نالیاں ٹوٹ چکی ہیں غریب آباد جس میں تقریباً تین سو گھروں کی آبادی ہے مگر ان کی بدنصیبی ہے کہ ان کے گندے پانی کا نکاس کئی برسوں سے نہیں ہو رہا ہے انہوں نے ہزاروں درخواستیں دیں مگر تمام بے سود ثابت ہوئی ہیں حالیہ بارش میں کافی مکانات گر گئے تھے۔

موجودہ حکومت نے تمام شہروں میں شہری کمیٹیاں تشکیل دی ہیں ٹنڈوجام شہری کمیٹی میں بارہ افراد کو شامل کیا گیا ہے مگر ممبران کا کہنا ہے جب تک شہری کمیٹی کا چیئرمین عوامی نمائندوں میں سے نہیں چنا جاتا وہ ممبران کسی بھی کام کے لیئے کوئی صحیح فیصلہ نہیں دے پاتے۔

شہری کمیٹی میں جن حضرات کو شامل کیا گیا ہے عوام کا کہنا ہے انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیئے کوئی کام انجام نہیں دیا۔ اور نہ ہی ان سے عوام کوئی امید رکھتے ہیں کیونکہ شہری کمیٹی کے چار یا پانچ اجلاس ہوئے ہیں مگر اجلاس میں بارہ ممبران میں سے کبھی آٹھ ہوتے ہیں کبھی چار۔ اس طرح اس شہری کمیٹی میں جو بھی حضرات آتے ہیں ان کو ٹنڈوجام شہر اور عوام کے لیئے کوئی دلچسپی نہیں معلوم ہوتی کہ ٹنڈوجام کی واٹر سپلائی عنقریب بحال کر دی جائے گی اس کی خراب پڑی ہوئی مشین کی مرمت کا کام شروع کرا دیا ہے۔ اور شہر کی دیگر ترقیاتی پروگرام کے بارے میں بھی اجلاس طلب کیئے گئے مگر ۹ ماہ کے عرصہ میں نہ تو ٹنڈوجام کے عوام کو پانی میسر ہوا۔ اور نہ ہی سڑکوں کی مرمت کرائی گئی۔

مزے کی بات ٹنڈوجام شہری کمیٹی میں گورنمنٹ اداروں میں کام کرنے والے افراد کو بھی شامل کیا گیا۔ کیا ٹنڈوجام کی سولہ ہزار افراد کی آبادی میں اچھے شہری نہیں مل سکے جو گورنمنٹ ملازمین کو شامل کیا گیا۔

شہری کمیٹی ناکام ہو کر رہ گئی ہے گزشتہ روز یعنی ۴ اکتوبر کو اسسٹنٹ کمشنر حیدرآباد کی سرپرستی میں ٹنڈوجام ٹاؤن ہال میں بارش سے متاثرین میں ۵۰ گندم کی بوریاں تقسیم کی گئیں فی کس پانچ اور سات سیر گندم دی گئی۔ اس وقت بھی شہری کمیٹی کے صرف دو ممبر اور لیں راجپوت اور واحد بخش موجود تھے جبکہ اس موقع پر ٹنڈوجام ٹاؤن کمیٹی کے ایڈمنسٹریٹر اور سیکریٹری دونوں ہی موجود نہیں تھے ••

کراچی

ترقی پسند اور جمہوریت نواز طلبا کو درس گاہوں سے نکالا جا رہا ہے

حمیڈ گھانگرو

گذشتہ دنوں سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت فیڈریشن کے مرکزی صدر جناب نذیر عباسی نے کی۔ اجلاس سے سندھ این ایس ایف کے رہنماؤں جبار خٹک، حنیف گھانچی، یوسف، سیف الاسلام، غلام اکبر، رشید ابراہیم حنیف بلوچ، عبدالخالق اور گھنشام پرکاش نے خطاب کیا۔ اجلاس میں سندھ این ایس ایف کراچی کی تنظیم کو مزید فعال بنانے کے طریقہ کار پر غور کیا گیا۔ ملک کی سیاسی صورت حال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اور اجلاس نے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا کہ ایک رجعت پسند تنظیم جماعت اسلامی کو غنڈہ گردی اور تشدد کرنے کی کھلے بندوں اجازت دے کر مشرقی پاکستان جیسی صورتِ حال پیدا کرنے کی سازش کی جا رہی ہے اجلاس میں اخباری کارکنوں کو شاندار جدوجہد کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

جناب نذیر عباسی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج ملک کی سیاسی صورت حال پوری طرح واضح ہو چکی ہے۔ دو گروہ کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ ایک گروہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں، سامراجی ایجنٹوں اور حکمرانوں پر مشتمل ہے، اس گروہ میں وہ افراد بھی شامل ہیں۔ جو کسی بورژوا پارٹی میں اپنے مفادات کی تکمیل کے لئے اپنی لیڈرشپ کے سہارے چل رہے ہیں اور دوسرا گروہ کسانوں، مزدوروں، چھوٹے دکان داروں، چھوٹے درجے کے ملازمین، علماء اور عوام دوست دانشوروں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج تعلیمی اداروں پر کی حمایتی تنظیموں کو مسلط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان تنظیموں نے درس گاہوں میں غنڈہ گردی اور تشدد کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ ترقی پسند اور جمہوریت نواز طلبا کو درس گاہوں سے نکالا جا رہا ہے۔ ان پر جھوٹے مقدمات قائم کئے جا رہے ہیں الغرض تعلیمی اداروں میں سرکاری مداخلت کی جا رہی ہے۔ یا مداخلت کے جواز پیدا کئے جا رہے ہیں۔ جناب عباسی نے کہا کہ سندھ کی طالبہ شیریں سومرو کے واقعے سے ہماری گردن شرم سے جھک گئی ہے۔ لیکن ستم یہ ہے کہ اس واقعہ میں ملوث

کفایت اللہ کو سزا دینے کی بجائے سندھ کے غیور طلباء کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ جھوٹے مقدمات بنائے گئے ہیں اور مختلف تشدد گاہوں میں اُن پر انسانیت سوز تشدد کیا جا رہا ہے۔ جو طلباء روپوش ہیں اُن کے بے گناہ والدین کو تھانے لے جا کر چادر اور چار دیواری کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ گرفتاری نہ دینے کی صورت میں اُن کے والدین، بھائیوں کو گرفتار کرنے، جائداد کو ضبط کرنے اور تعلیمی اداروں سے خارج کرنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ جناب نذیر عباسی نے ان اقدامات کی سخت مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ اسیر طلباء مزدوروں، کسانوں اور سیاسی کارکنوں کو رہا کیا جائے۔ اجلاس میں اتفاق رائے سے متعدد قراردادیں منظور کی گئیں۔ ایک قرارداد میں اخباری کارکنوں کو شاندار جدوجہد کرنے پر مبارکباد دیتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا گیا کہ یہ جدوجہد مظلوم طبقات کے لئے ایک سنگِ میل ثابت ہو گی۔ اس تحریک نے مظلوم طبقات میں عملی اتحاد کو جنم دیا ہے قرارداد میں صحافی برادری کی توجہ اس امر پر مبذول کرائی گئی ہے کہ آزادیٔ اظہار کے مطالبے کی تکمیل ابھی باقی ہے کیونکہ پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈیننس موجود ہے۔ ہفت روزہ الفتح، معیار اور نوائے جنگ پر ابھی تک پابندی عائد ہے۔

ایک قرارداد میں افراسیاب خٹک، جاوید شکور ذوالفقار علی بھٹو اور دیگر تمام نظر بند اور گرفتار طلباء، مزدوروں، ہاریوں اور سیاسی کارکنوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

ایک اور قرارداد میں اس امر پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ ایک رجعت پسند سیاسی جماعت اور اس کی ذیلی طلباء تنظیم تشدد کی راہ پر گامزن ہے۔ اس تنظیم نے سید منور حسن کو خفیہ کمانڈر مقرر کیا ہے جس کا ثبوت ڈرگ کالونی میں کراٹے کے سنٹر کا قیام ہے •

نواب شاہ

12 لاکھ آبادی کے مسائل کیلئے تین منٹ

وزیر کے استقبال کے نام پر جماعت اسلامی کے جلسۂ عام

شیریں سومرو کے ساتھ زیادتی کی تحقیقات: پیدل سپاہی کا خفیہ دورہ

پیپلز میڈیکل نواب شاہ کی طالبہ شیریں سومرو اور میجر کفایت کے واقعہ نے پاکستان میں اتنی شہرت اور اہمیت حاصل کی کہ نواب شاہ وفاقی وزراء کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ جس وزیر کو دیکھو نواب شاہ کے دورے پر چلا آ رہا ہے۔ سندھ کے گورنر عباسی صاحب انتظامی دورے پر، اس کے علاوہ مارشل لائی وزیر اطلاعات و نشریات محمود اعظم فاروقی صاحب نے نواب شاہ آنے کی بلاضرورت زحمت گوارہ کی۔ اور تو اور باغ و بہار طبیعت کے مالک قدم قدم پر لطیفے بکھیرنے والے وزیر چوہدری ظہور الٰہی صاحب بھی چھپتے چھپاتے نواب شاہ کا خفیہ دورہ فرما گئے لیکن افسوس کہ نوجوانوں اور طلباء کے امور کے جواں سال خوبرو وزیر جاوید ہاشمی صاحب نے نواب شاہ آنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ حالانکہ اس واقعہ کے بعد حالات کو کنٹرول کرنے کے لیئے نواب شاہ کے شہریوں طلباء و طالبات کے نزدیک ان کی آمد متوقع تھی۔ ان کی نہ آنے کی وجوہات کے بارے میں ہمیں تو کچھ معلوم نہیں لیکن لوگوں کا کہنا ہے کہ موصوف کو اس واقعہ میں کوئی کشش دکھائی نہ دی یا پھر وہ ناسازیٔ طبع کے باعث مجبور ہوں اور کسی کے زیرِ علاج ہوں اور پھر بھلا جہاں سے چوہدری ظہور الٰہی صاحب اور فاروقی جیسے تجربہ کار اور کہنہ مشق سیاستدان کا گذر ہو چکا ہو وہاں جاوید ہاشمی جیسے نو آموز وزیر کا کیا کام رہ جاتا ہے لوگوں کے سب کے سب مسائل تو انہوں نے حل کر ہی دیئے ہونگے یعنی مشاعرہ تو یہ دونوں لوٹ کر لے گئے جاوید ہاشمی کی غزل کون سنتا۔

بہرحال عزل عباسی صاحب کی آمد کے بارے میں ہم کچھ لکھنے سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا لکھیں گے کہ موصوف نواب شاہ کے صرف ایک گھنٹہ کے دورے پر بذریعہ ہیلی کاپٹر تشریف لائے اور مقامی انتظامیہ کے نزدیک نواب شاہ ضلع میں جو لوگ معززین میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں عباسی صاحب کا دیدار کرنے اور ہمکلام ہونے کا شرف بخشتے ہوئے سرکاری پروانہ راہداری عطار کیا گیا اور پھر صاحب اقتدار حاکم سندھ نے بھی کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان معززین شہر کو تقریباً پون گھنٹہ اپنے قیمتی وقت میں سے عطا کیا تاکہ وہ اس عرصہ میں بارہ لاکھ آبادی والے ضلع کے مسائل سے انہیں آگاہ کریں اس عرصہ میں بھی تقریباً سات منٹ تک تلاوت

تحریر: محمد نواز خلجی

کلام پاک ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ سنایا گیا اور پھر بعد میں دس منٹ تک صاحب اقتدار نے ضلعی انتظامیہ سے سرٹیفکیٹ حاصل کردہ معززین سے خطاب فرماتے ہوئے انہیں اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا کہ وہ ان کے دکھ درد معلوم کرنے آئے ہیں وہاں موجود لوگوں نے انتظامیہ اور پولیس کی تعریف میں چھوٹے چھوٹے پل باندھتے ہوئے مسائل بیان کرنا شروع کیئے۔ ابھی چند ہی معززین ضلع کے سماجی اور عوامی مسائل بتا پائے تھے کہ گورنر صاحب کی بارعب فوجی آواز فضاء میں بلند ہوئی کہ میرے پاس وقت کم ہے میں آپ لوگوں کو صرف تین منٹ مزید دیتا ہوں اس عرصہ میں جو کچھ کہنا ہو کہہ ڈالیئے اگر کوئی اپنے مسائل تحریر میں لایا ہے تو وہ میرے سیکریٹری کو دیدے گویا امتحان ہال میں جواب لکھنے کا وقت ختم ہو چکا تھا اور پھر سندھ کے گورنر جناب عباسی صاحب وہاں موجود لوگوں کو ورطہ حیرت میں چھوڑ کر جب وہاں سے جانے لگے تو ایک مسلم لیگی نے باواز بلند کچھ کہنے کی کوشش کی تو صاحب اقتدار نے فرمایا کہ میں شور شرابا پسند نہیں کرتا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب ہال میں بیٹھے ہوئے معززین ہال سے باہر نکلے تو آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے ہفتہ بھر سے گورنر صاحب کی آمد کا تذکرہ ہو رہا تھا ہم تو انہیں ضلع کے مسائل کے بارے میں بتانے آئے تھے وغیرہ وغیرہ۔

وزیر اطلاعات جناب محمود اعظم فاروقی صاحب جن کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے لہذا ان کی نوابشاہ میں آمد اس لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل تھی کہ پاکستان کی تاریخ میں جماعت اسلامی کے پہلے وزیر نوابشاہ کے دورے پر تشریف لا رہے تھے یہ الگ بات ہے کہ انہیں عوام نے منتخب نہیں کیا بلکہ مارشل لا سرکار نے نامزد کیا ہے۔ بہر حال ہیں تو وزیر چاہے حکومت میں چور دروازے سے ہی کیوں نہ داخل ہوئے ہوں ان کی آمد کا نوابشاہ جماعت اسلامی سے وابستہ ہر چھوٹا بڑا فرد اسی طرح منتظر تھا جیسے شادی بیاہ کے موقعہ پر دلہن کی سہیلیاں برات کی منتظر ہوتی ہیں اور دولہا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیئے دوڑی دوڑی پھرتی ہیں۔ ہر کارکن پر شادی مرگ کی کیفیت طاری تھی بہر حال فاروقی صاحب نوابشاہ تشریف لائے تو جماعت اسلامی نوابشاہ نے ان کا اسی طرح خیر مقدم کیا جس طرح لڑکی والے براتیوں اور دولہا کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور پھر فاروقی صاحب کو جماعت کے دفتر میں لے جایا گیا بالکل اسی طرح جس طرح نکاح کے بعد دولہا کو آرسی مصحف کی رسم کے لیئے خواتین میں لے جایا جاتا ہے۔ آپ یقین کریں کہ فاروقی صاحب چند منٹوں کے لیئے جماعت اسلامی کے دفتر گئے اور پھر لوٹ آئے گویا آرسی والی رسم پوری ہو گئی ہو اس کے بعد موصوف ڈسٹرکٹ کونسل ہال تشریف لے گئے جہاں ضلعی انتظامیہ نے ان کے لیئے ایک جلسے کا اہتمام کیا تھا جسے مقامی جماعت نے نہایت کمال ہوشیاری سے ایک استقبالیہ کا نام دے رکھا تھا موصوف نے وہاں سیاسی تقریر کی اور اپنے مخالفوں کو خوب لتاڑا۔ حالانکہ اگر اس قسم کا کوئی استقبالیہ کسی مخالف رہنما کے اعزاز میں دیا جاتا ہے تو مارشل لا کا ضابطہ جاری ہو جاتا ہے گرفتاریوں اور نظر بندیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے لیکن فاروقی صاحب سینکڑوں افراد سے خطاب فرماتے ہیں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرتے اپنے مخالفوں پر گرجتے برستے ہیں لیکن نہ تو انتظامیہ کے کان پر جوں رینگتی ہے اور نہ ہی مارشل لا حرکت میں آتی ہے گویا کسی قانون کی خلاف ورزی ہوئی ہی نہیں گویا سب اچھا ہے۔

جو لوگ مسائل کے لالچ میں فاروقی صاحب کے استقبال میں شریک ہوئے انہیں نہایت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ فاروقی صاحب کے پاس ہر درد کی دوا کے طور پر ایک ہی جواب تھا کہ یہ مسئلہ میرے محکمہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ تو پھر فاروقی صاحب سے بھلا۔ اس مارشلائی دور میں یہ پوچھنے کی جسارت کون کرتا کہ جناب آپ کس مسئلہ کا حل ہیں۔ اور نوابشاہ کیوں تشریف لائے ہیں۔ کیونکہ نوابشاہ میں نہ تو ریڈیو اسٹیشن ہے اور نہ ہی ٹیلیویژن اسٹیشن جن کا تعلق آپ کے محکمہ سے ہے۔

فاروقی صاحب کے جانے کے بعد جب جماعت اسلامی نوابشاہ کے امیر مولانا محمد صاحب علی صاحب سے راہ چلتے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک واقعہ بتایا جو کہ قارئین کی نظر ہے۔

مولانا نے بتایا کہ فاروقی صاحب اور ان کے کھانے کا بندوبست جماعت اسلامی کو کرنا تھا اس مقصد کے لیئے مقامی مختار کار صاحب سے کہا گیا کہ وہ ان کے کھانے کا انتظام کریں۔ اور خرچ وغیرہ کا تخمینہ لگا کر بتائیں تاکہ انہیں رقم ادا کر دی جائے۔

مولانا نے بتایا کہ آپ کو حیرت ہو گی کہ مختار کار صاحب نے ہمیں جو خرچ لکھ کر دیا اس میں انہوں نے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ دھاندلی کرنے کی کوشش کی یعنی وہ چوکیداروں اور باورچیوں کو بھی اسی میں سے کھانا کھلانا چاہتے تھے یعنی دس آدمیوں کے بجائے بیس آدمیوں کے کھانے کا تخمینہ لگایا تھا۔ لہذا جماعت نے فیصلہ کیا کہ وہ کھانے کا انتظام خود کریگی۔ صرف خالی پلیٹوں اور چمچوں کی فراہمی کا کام مختار کار صاحب کے سپرد کر دیا جائے لیکن آپ یقین کریں وہ خالی پلیٹوں اور چمچوں کا بندوبست بھی صحیح طور پر نہ کر سکے جس کے باعث فاروقی صاحب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا اس واقعہ سے جماعت اسلامی کی ذہنیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے

اب تھوڑا سا ذکر خیر وزیر ہوسنگ یعنی چوہدری ظہور الٰہی صاحب کی نواب شاہ آمد کا ہو جائے تو اسکے بارے میں عرض ہے کہ ان کا دورہ اتنا خفیہ تھا کہ نواب شاہ کے لوگوں کو پتہ بھی نہ چل سکا۔ شاید موصوف کسی خفیہ مشن پر آئے ہوں اس لیے جسطرح وہ چھپتے چھپاتے نواب شاہ آئے اسی طرح ان کی روانگی ہوئی البتہ کراچی پہنچکر انہوں نے اپنے دورۂ نوابشاہ کا بھانڈا خود ہی پھوڑ دیا۔ کہ وہ نواب شاہ شیریں سومرو اور میجر کفایت والے واقعے کے سلسلے میں تشریف لے گئے تھے اور ان کی تحقیق کے مطابق یہ واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔ اس واقعہ کو واقعہ بنانے میں نوابشاہ میں مساوات کے ضلعی نامہ نگار اور عبرت کے نمائندے کا ہاتھ ہے۔ البتہ انہوں نے کراچی میں صحافیوں کے سامنے بڑی مشکل سے یہ اقرار کیا کہ واقعی میجر کفایت نے شیریں سومرو کو دھوکے سے بلوایا تھا۔ اب انہیں کون سمجھائے کہ جب ایک جوان مرد ایک جوان خوبصورت لڑکی کو دھوکے سے بلواتا ہے تو اس کے دل میں کیا چور چھپا ہوتا ہے۔ الغرض موصوف کا دورہ نواب شاہ، شیریں سومرو کے سلسلے میں تھا تاکہ وہ اس کی رپورٹ صدر پاکستان کو پیش کر سکیں گویا نواب شاہ میں سی آئی ڈی، انٹیلی جنس اور اعلیٰ فوجی حکام کی تحقیق کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کے لیئے سابق پیدل سپاہی ہونا ضروری تھا۔

ابوضیا اقبال

راولپنڈی میں صدر مملکت نے بھارتی کرکٹ ٹیم کے کپتان بشن سنگھ سے مشورۃً کہا کہ اگر وہ ان کی جگہ ہوتے تو کھیل اور تماشائیوں کے بہتر مفاد میں اپنی دوسری اننگز ۱۲ بجے ختم کر دیتے۔ اس پر بھارتی ٹیم کے کپتان نے یہ کہہ کر کہ وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ یہ بڑا خطرناک وقت ہوتا ہے، صدر مملکت کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا۔ مہمان کھلاڑی نے اس طرح سکھوں کے بارے میں بے قافیہ اور قافیہ دار لطائف پر خوبصورت گرہ لگا کر اپنی روشن خیالی اور فراخدلی یعنی انگریزی میں اسپورٹس مین شپ اور براڈ مائنڈیڈنیس کا ثبوت دیا۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت والوں کے دلوں میں پاکستان والوں کے لئے وسعت کروٹیں لے رہی ہے ورنہ کوئی زمانہ تھا کہ سکھ بھائی مسلمانوں کے ۱۲ بجے کے لطیفے پر بیخ پا یعنی انگریزی میں زبردست اینگری ہو جاتے تھے اور دروغ برگردن راوی، (دریائے راوی نہیں) سورگباشی ماسٹر تارا سنگھ پاکستان بننے کے اس لئے بھی مخالف تھے کہ مسلے سکھوں کے بارہ بجایا کرتے تھے یعنی ان سے ۱۲ بجے والا مذاق کرتے تھے۔ اکثر لوگوں کی "بذلہ سنجی" یعنی انگریزی میں ہیومر (خصوصاً پولیٹیکل) ان کے مخالفوں کے لئے پولیٹیکل اشیوع بن جاتی (بذلہ سنجی) بن جاتا ہیومر) اور یہ اکالی دل کے ماسٹر جی کے ساتھ بھی ہوا ہوگا کہ ۱۹۴۷ء میں ان کے لاہور اسمبلی ہال کے چبوترے پر کرپان تان لینے سے مسلمانوں کا جھٹکا شروع ہو گیا

❀ ❀

کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے میاں ممتاز محمد خان نے روزنامہ "امروز" لاہور میں بھارت کے ایک وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ پر ۱۲ بجے طاری ہونے کا ایک چشم دید واقعہ لکھا تھا۔ جب وہ سردار صاحب (برٹش حکومت میں غالباً محکمہ دفاع میں سکریٹری تھے میاں صاحب ان سے ملنے گئے تو موصوف سرکاری فائیلوں پر دستخط کر رہے تھے اور ان کا سکھ پی اے قلم کی روشنائی کو جاذب سے خشک کئے جا رہا تھا۔ اتنے میں کلاک نے بارہ بجنے کی اطلاع دی اور سردار جی نے میاں صاحب سے کہا کہ دیکھئے اس وقت ان سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہو رہی ہے جو کسی لطیفے کو جنم دے۔ اسی وقت میاں صاحب نے دیکھا کہ سردار جی نے بے خیالی میں قلم رکھ کر پنسل اٹھالی تھی اور اس سے دستخط کر رہے تھے اور ان کا اطاعت گذار پی اے ان کے دستخط کو جاذب سے خشک کئے جا رہا تھا۔ میاں صاحب نے اس واقعہ کو بطور لطیفہ بیان کیا ہے۔ لیکن یہ بڑی سنجیدگی کی بات ہے کہ برٹش گورنمنٹ میں صاحب لوگوں کے پرسنل اسسٹنٹ اور پرائیویٹ سکریٹری کتنے اطاعت گذار ہوتے تھے!

❀ ❀

رحیم یار خان میں متعدد افراد زہریلا گڑ کھانے سے فوت ہو گئے۔ یہ ایک بڑا المیہ ہے لیکن ثابت کرتا ہے کہ مٹھاس سم قاتل بھی ہوتی ہے اور میٹھا زہر انسان کو غفلت میں آ لیتا ہے۔ اس ذائقے کا زہر دینے والے پر شبہ نہیں گزرتا اور مرنے والا اسکی گود یا بانہوں میں خدا کو پیارا ہو جاتا ہے اور زہر کے اثر کرنے تک اسے اپنے مہربان کے عزائم کی خبر نہیں ہوتی۔ اس لئے دانشمند اور دور اندیش لوگ اپنے راستے کا کانٹا نکالنے کے لئے ڈائرکٹ کڑوا زہر استعمال کرنے کی بجائے ان ڈائرکٹ میٹھا زہر استعمال کرتے ہیں۔ اسی فلسفے کو برصغیر کے ممتاز فلم ڈائریکٹر سہراب مودی نے اپنی فلم "میٹھا زہر" میں فلمایا تھا اور یہ فلم ہر دور کے دانشمندوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔

❀ ❀

ٹرانسپورٹ کی ایک فرم کا بہت مختصر لیکن ایک نہایت جامع اشتہار نظروں سے گذرا۔ "پہلے آؤ، پہلے پاؤ، پہلے کماؤ، پھر قرض چکاؤ"۔ ظاہر ہے کہ یہ انصاف اور اصول کی بات ہے کہ جو پہل کرے وہی فیضیاب ہو۔ بعد میں آنیوالا منافع میں پہلے والے سے پیچھے ہی رہے گا۔ قرض چکانے کی بات بھی اصولی ہے۔ کوئی آپ کو مفت تو نہیں دے گا۔ یہ رعایت کیا کم ہے کہ وہ آپ کو پہلے آنے پر اپنے پاس سے دے گا۔ آپ اس سے کمائیں گے اور پھر منافع سے قرض چکائیں گے۔ اس کا سود بھی ہوگا، مفرد یا مرکب۔ اس نے کوئی خیراتی فنڈ تو قائم نہیں کر رکھا ہے نہ کوئی ادارہ خدمت خلق کھول رکھا ہے۔ اس کا پہلے بلانے کا مشورہ بھی معقول ہے ورنہ عموماً دعوتوں میں دیر سے پہنچنے والوں کو دیگ کی کھرچن ہی مل سکتی ہے۔ یا گاڑی میں دوسروں کے بعد سوار ہونیوالوں کو بیٹھنے کی جگہ مشکل ہی سے ملتی ہے۔ اس لئے عقلمند لوگ معاملات میں تاخیر نہیں کرتے ہیں کہ جانتے ہیں گھڑا اٹھالے جو بڑھا کے ہاتھ یہ مینا اسی کا ہے۔ ایک دوست مینا کو زبر سے پڑھتے ہیں کہ یہ طوطے والی مینا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ تو صیغۂ تانیث ہے جبکہ مصرع میں ایسا کوئی نقشہ نہیں ہے تو فرماتے ہیں، آپ نے وہ مصرعہ نہیں سنا کہ لیلیٰ نظر آتا ہے مجنون نظر آتی ہے؟ ہم پوچھتے ہیں ایسا کب ہوتا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں، جب قرض بمعہ سود چکانے کا وقت آتا ہے۔

محکمہ ریلوے نے کراچی کے باشندوں اور اخبارات کے مطالبے کے پیش نظر روہڑی اور کراچی کے درمیان چلنے والی سندھ ایکسپریس کا کراچی سے روانگی وقت تبدیل کر دیا ہے اور اب یہ گاڑی کراچی سے ساڑھے ۷ بجے صبح چلے گی (جنگ ۱۹ر اکتوبر) اس خوشخبری سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں کہ محکمہ ریلوے کو شہریوں اور اخبارات کا کتنا پاس ہے کہ بلا تامل انکی دلی خواہش پوری کر دی۔ دوسرے یہ کہ کراچی کے باشندوں اور اخبارات میں سے ہر ایک کے پاس اپنی کار، بس، ٹیکسی یا رکشہ ہوگا کیونکہ کراچی میں جہاں دن کو سواری جوئے شیر کے مصداق ملتی ہے، وہاں صبح ساڑھے ۷ بجے کسی کا ریلوے اسٹیشن پہنچنا صرف اپنی ذاتی سواری ہی سے ممکن ہو تو ہو۔ آپ کہیں گے کہ لوکل ٹرینیں کس مرض کی دوا ہیں، تو اطلاعاً عرض ہے کہ لوکل ٹرین میں اپنے دفتر ہی وقت پر پہنچ کر دکھایئے۔

بھارت کی سابق وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو ایک ضمنی انتخاب میں ۲۷ حریفوں سے مقابلہ کرنا ہوگا۔ اس پوزیشن سے اندرا جی خوش ہو رہی ہوں گی کہ ان کا طاقتور ہونا ظاہر ہوتا ہے اور ایک صنفِ نازک سے ۲۷ حضرات مقابلے پر اتر آئے ہیں اور غالب کا شعر بھی پڑھ رہی ہوں گی ؎

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا،

یا پھر سعادت خان ناصر کا شعر وردِ زبان ہوگا ؎

اے جنوں تجھ کو خدا دیر سلامت رکھے
تیری دولت ہے یہ ہنگامہ طفلاں سر پر

البتہ ان ۲۷ امیدواروں میں سے ایک کامیاب ہو جائے گا تو باقی ۲۶ کس سے مقابلہ کریں گے!

محمد اشرف

کالج کے الیکشن میں دھاندلی

جمعیت اور پرنسپل کا گٹھ جوڑ

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان ساہیوال کے ضلعی صدر سید احتشام اکبر نے ایک بیان میں ملک کی موجودہ صورتحال پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے انہوں نے کہا کہ بھوک و افلاس کے ستائے ہوئے عوام نے ماضی کی حکومتوں سے چھٹکارا حاصل کیا ہے تو اب مارشل لا حکومت نے جمہوریت کا نام لے کر عوام پر ایک کھلی اور ننگی آمریت نافذ کر دی ہے موجودہ حکومت نے انتخابات کا نام لے کر اقتدار پر قبضہ کیا اور ایک غیر جمہوری حکومت عوام پر مسلط کر دی ہے آج عوام اپنے جمہوری حقوق کے لیے ترس رہے ہیں مہنگائی، بے روزگاری، ذخیرہ اندوزی، اور رشوت ستانی نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے صنعتی اداروں سے مزدوروں کی چھانٹیوں اور بے دخلیوں کی انتہا کر دی گئی ہے انہوں نے کہا کہ نظام مصطفیٰ کا نام لینے والے قومی اتحاد کے لیڈر اسلام کے مقدس نام کو بدنام کرنے کے بعد چور دروازے کے ذریعے حکومت میں شامل ہوئے اور اب عوام کو مارشل لا اور آمریت کا تحفہ دینے کے بعد بہت خوش نظر آتے ہیں۔ اور اب ان نام نہاد اسلام پسندوں نے عوام کے مسائل کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے انہوں نے کہا کہ واحد مقصد موجودہ ظالمانہ استحصالی نظام کو برقرار رکھنا ہے موجودہ نام نہاد حکومت جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کر رہی ہے لیکن اس سے بڑی آمریت اور کیا ہو سکتی ہے حکومت کو یہ جان لینا چاہیے کہ ملک کے محنت کش عوام اور خاص طور پر طلبا، آمریت کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں طلبا، نے ماضی میں بھی آمریت کے بتوں کو پاش پاش کیا ہے اور آج بھی جبر و تشدد، کوڑوں، گرفتاریوں اور موجودہ طبقاتی سماج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے دم لیں گے انہوں نے کہا کہ مظلوم طبقات کا شعور اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اب استحصالی طبقات زیادہ دیر تک انہیں دھوکہ نہیں دے سکیں گے۔ عوامی جمہوری انقلاب پاکستانی عوام کا مقدر بن چکا ہے مظلوم طبقات کے بلند شعور کی وجہ سے استحصالی طبقات کے ایوان کانپ رہے ہیں۔ احتشام اکبر نے کہا کہ ملکی حالات ملک کے محنت کش عوام کو سرمایہ داری، جاگیرداری کے خاتمے کے لئے پکار رہے ہیں آج کے ہمارے حالات کا یہی تقاضہ ہے کہ ایک غیر طبقاتی نظام کے قیام کی جدوجہد تیز سے تیز تر کر دی جائے

انہوں نے کہا کہ سامراجی طاقتیں پاکستان کو ہڑپ کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں ہمارا ملک سامراجی قرضوں تلے دب چکا ہے ملک کا پیدا ہونے والا ہر بچہ سامراج کا مقروض ہوتا ہے اسی وجہ سے ہمیں ہر قدم اٹھانے سے پہلے سامراجی طاقتوں کی خواہشات کا احترام کرنا پڑتا ہے اور ہم ہر موقعہ پر امریکی سامراج کے اشارے کے منتظر رہتے ہیں۔ انہوں نے وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ گرفتاریوں اور ظلم و تشدد کے ذریعے موجودہ گلے سڑے لوٹ کھسوٹ کے نظام کو سہارا نہیں دیا جا سکتا۔ انہوں نے این ایس ایف پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات و نشریات دقامی بٹ کی غیر قانونی نظر بندی پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ حکومت جان بوجھ کر این ایس ایف کو ایک سیاسی جماعت کی ذیلی تنظیم ظاہر کر رہی ہے جبکہ این ایس ایف ہی پاکستان کی واحد ملک گیر انقلابی تنظیم ہے جس کا کسی بھی سرمایہ دار سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے جو عرصے سے جبر و تشدد کی چکی میں پسے ہوئے مظلوم عوام کی آزادی کی جنگ لڑ رہی ہے۔ اور این ایس ایف نے ہی ہمیشہ عوام کو ملک دشمن سیاسی جماعتوں اور رجعت پسند تنظیموں کے ملک دشمن کردار سے آگاہ کیا ہے انہوں نے گورنمنٹ ڈگری کالج اوکاڑہ کے پرنسپل محمد اصغر اور کالج کے پروفیسر الفت رسول پر الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے ایک منصوبے کے تحت طلبہ یونین کے انتخابات میں دھاندلی کی ہے اور بلیٹ بکس تبدیل کر کے اسلامی جمعیت کو کامیاب کرایا ہے کالج انتظامیہ کی اس کھلی دھاندلی کی وجہ سے کالج کے طلبا، سخت حیران و پریشان ہیں اور سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں انہوں نے کہا کہ کالج کے پرنسپل اور پروفیسر الفت رسول این ایس ایف کے کارکنوں کو طرح طرح سے تنگ کر رہے ہیں اور اسلامی جمعیت کی پشت پناہی کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔

زیر سماعت قیدیوں
کو مشقت د سزا یافتہ
قیدیوں کو آرام ملتا ہے

جیل، چرس، افیون، مارفیا، راکٹ اور مینڈرس کی سب سے بڑی منڈی ہے
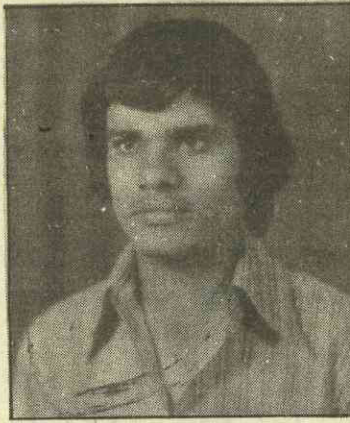
ضیاء اعوان

جیل سے متعلق یہ تاثر عام ہے کہ یہ جرائم پیشہ افراد کے لیئے اصلاح خانہ ہوتا ہے ہمارا ملک جہاں جیلوں کا ایک جال سا بچھا ہوا ہے اس عام تاثر کے بالکل برعکس. ہے اکثر و بیشتر جیلوں سے متعلق حقائق عوام کے سامنے آتے رہے ہیں لیکن جیلیں جسے ایک الگ دنیا کہنا زیادہ بہتر ہوگا جرائم پیشہ افراد کو مزید جرائم کی تربیت دینے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں آزادئ صحافت اور آزادئ روزگار کے لیئے چلائی جانے والی تحریک کے سلسلہ میں کراچی سنٹرل جیل میں تقریباً ڈیڑھ ماہ رہنے کا شرف حاصل ہوا اس عرصہ میں ہماری ملاقات مختلف قیدیوں سے ہوئی اور جیل کے نظام کو بچشم خود قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا تو ہمارے ذہن سے یہ تاثر بالکل ختم ہو گیا کہ جیلیں جرائم کے خاتمے میں کوئی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

جس طرح جیل کی چار دیواری کے باہر معاشرے میں رشوت، ظلم و استحصال اور طبقاتی تقسیم ہے ویسے ہی جیل میں بھی پورا نظام انہی بنیادوں پر ہے. اگرچہ مجاہدین صحافت اور دیگر سیاسی اسیروں سے عام قیدیوں کو ملنے نہیں دیا جاتا تھا. لیکن پھر بھی چند قیدیوں سے جو اپنی مشقت کے سلسلے میں ہماری بیرکوں میں آتے رہتے تھے ان کے واقعات اور جیل میں عرصہ دراز کے تجربات سننے کا موقعہ ملا جیل کا نظام تقریباً جیل کے قیدی چلاتے ہیں اس بات کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ کراچی سنٹرل جیل کے پورے دفتری کام کے لیئے صرف ایک ٹائپسٹ ہے جیل کا زیادہ تر انتظام لال ٹوپی قیدیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے یہ قیدی ۱۴ سال سے ۲۵ سال تک کی سزا والے ہوتے ہیں.

کراچی سنٹرل جیل جہاں مجموعی طور پر صرف ۸۹۰ قیدی رکھنے کی گنجائش ہے وہاں تقریباً دو ہزار قیدیوں کو رکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ جن بیرکوں میں اسیران صحافت کو رکھا گیا تھا وہاں صرف ۲۰ قیدیوں کی گنجائش تھی لیکن ایسا وقت بھی آیا کہ ان بیرکوں میں ۴۵ افراد کو رکھا گیا اور رات کو مجاہدین صحافت کو کروٹ بدلنے کی جگہ نہیں ملتی تھی. یہی حال عام قیدیوں کا بھی ہے جیل میں الگ سیل میں یا کسی اچھی بیرک میں قیدی کو جانے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ لال ٹوپی اور جیل کے صوبیدار کو جو تمام لال ٹوپیوں سے رشوت کی رقم اور سامان جمع کرتا ہے پانچسو سے ایک ہزار تک رشوت دے اسی طرح جب قیدیوں کو تھانے سے یہاں منتقل کیا جاتا ہے تو خواہ وہ سیاسی کارکن ہو یا جرائم پیشہ اسے جھاڑو تھما دی جاتی ہے اور پھر جیل میں مشقت کے طور پر روزانہ آٹھ گھنٹے کام لیا جاتا ہے اس سلسلے میں واضح کرتا چلوں کہ جیل مینوئل کے مطابق ایسے قیدیوں سے جن کے مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت ہوں جیل حکام مشقت لینے کے مجاز نہیں لیکن جیل میں اس بالکل الٹ کام کیا جاتا ہے یعنی جن قیدیوں کے مقدمات زیر سماعت ہوتے ہیں ان سے تو مشقت لی جاتی ہے لیکن وہ قیدی جن کو قید بامشقت کی سزا ہو چکی ہوتی ہے وہ آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں.

جیل میں چرس افیون، مارفیا، راکٹ، مینڈرس کا کاروبار زوروں پر ہے یہاں آپ کو کھلے عام یہ چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ باقاعدہ جوا کھیلا جاتا ہے "تادم مرگ بھوک ہڑتال کے سلسلے میں جب ہمیں جیل اسپتال منتقل کیا گیا تو کئی قیدیوں سے ملاقات ہوئی جو مینڈرس زیادہ کھانے کی وجہ سے خطرناک حالت میں اسپتال لائے گئے بقول چند قیدیوں کے کہ یہاں تمام نشہ آور اشیا خود جیل انتظامیہ کے چند افراد سپلائی کرتے ہیں جیل میں عید منانے کا اتفاق بھی ہوا اس روز تمام قیدیوں کو ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت ہوتی ہے ہم تمام اسیران صحافت نے یہ طے کیا تھا کہ ہم لوگ عید کے روز تمام قیدیوں سے ملیں گے اور انہیں اپنی جد وجہد سے آگاہ کریں گے جب ہم ان بیرکوں میں گئے جہاں عام قیدی ہوتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے چرس کی سلفی کھلے عام پیتے ہوئے قیدیوں کی ٹولیوں کو دیکھا۔ اس سلسلہ میں ایک جگہ ہماری ملاقات چند غیر ملکیوں سے ہوئی یہ تمام کے تمام حشیش کی اسمگلنگ کے سلسلہ میں قید کیئے گئے تھے ہم نے ایک اسپینی باشندے سے معلوم کیا کہ جیل میں آپ کیا محسوس کر رہے ہیں تو انہوں نے برجستہ انگریزی میں جواب دیا کہ "ویری گڈ" جب ہم نے ان سے "ویری گڈ" کی مزید وضاحت چاہی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں یہاں اس لیئے خوش ہوں کہ مجھے یہاں حشیش استعمال کرنے کی آزادی ہے

جیل کے اتنے بڑے نظام کو چلانے کے لیئے ہر سال بجٹ مقرر کیا جاتا ہے لیکن قیدیوں کے بقول بجٹ کا زیادہ تر حصہ جیل کے اعلیٰ افسران کی نذر ہو جاتا ہے جیل میں قیدیوں کو جو کھانا دیا جاتا ہے اگر آپ اُسے

کسی ڈاکٹر کو دکھائیں تو وہ یقیناً یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ یہ کھانا اگر جانور کو بھی دیا جائے تو اس کے لیے بھی نقصان دہ ہوگا جیل کی دال میں ریت اور کنکروں کی ایک بڑی تعداد آپکو ملے گی جیل میں جو دال پکائی جاتی ہے وہ اس طرح کہ پانی کو دیگوں میں جوش دیکر اس میں بڑی مقدار میں آٹا ڈال دیا جاتا ہے اور پھر دال کی اتنی مقدار ڈالی جاتی ہے کہ محدب شیشے کے ذریعے تلاش کیا جائے تو بھی دستیاب نہ ہو یہی وجہ ہے کہ جیل کے اسپتال میں ۹۰ فیصد قیدی ایسے آتے ہیں جن کے معدے خراب ہوتے ہیں اس کی ایک وجہ قیدی یہ بتاتے ہیں کہ قیدیوں کے لیے جو کھانے کا خشک سامان آتا ہے اس میں سے پکانے سے پیشتر حوالدار سے لیکر سپرنٹنڈنٹ تک کا حصہ پہلے نکال لیا جاتا ہے اس کے بعد جو بچ رہتا ہے وہ قیدیوں کے لیے پکایا جاتا ہے۔

کچھ اسی طرح کا سلسلہ جیل کے گیٹ پر ہے کہ قیدیوں کے عزیز و اقارب جو فروٹ، سگرٹ یا ضرورت کی دیگر چیزیں لاکر دیتے ہیں ان میں سے بلا روک ٹوک ڈیوٹی پر متعین سپاہی جو چیز چاہے نکال لیتے ہیں اور اس طرح روزانہ ہر سپاہی تھیلے بھر کر سامان اپنے ساتھ لے کر جاتے ہیں قیدیوں کی ملاقات کے سلسلہ میں بھی جیل کے اہلکاروں کا رویہ جانبدارانہ ہے۔ اگر آپ ڈیوٹی پر متعین افسر کو رشوت دے دیں تو "سی" کلاس میں ہونے کے باوجود آپ کی ملاقات کے لیے آنے والوں کو اندر بینچ پر بٹھا کر ملاقات کرائی جا سکتی ہے لیکن اگر آپ رشوت نہ دیں تو "بی" کلاس میں ہونے کے باوجود آپ کو اپنے عزیزوں سے ملاقات کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا اس طرح روزانہ ایک ایک افسر سینکڑوں روپے رشوت وصول کر لیتا ہے۔

جیل میں ہماری ملاقات کئی ایسے قیدیوں سے ہوئی جنہیں تین ماہ سے جیل میں رکھا گیا ہے لیکن انہیں یہ پتہ نہیں کہ انہیں کس مقدمہ میں پکڑا گیا ہے اور نہ ہی انہیں کسی عدالت میں پیش کیا جاتا ہے جب ہم اسپتال میں تھے تو ایک قیدی جو تقریباً دو ماہ سے قید تھا وہ سپرنٹنڈنٹ کے ہفت روزہ دورے کے موقع پر رو رو کر التجا کر رہا تھا کہ مجھے کورٹ بھیجا جائے تاکہ مجھے پتہ چل سکے کہ میرے خلاف کونسا مقدمہ درج ہے دوسرے روز پتہ چلا کہ اس قیدی کو رہا کر دیا گیا کیونکہ اس کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں تھا۔ اس طرح بے شمار قیدی بغیر مقدمے کے غیر قانونی طور پر جیل میں پڑے ہوئے ہیں ایک اور اہم نقطہ جو ہمارے سامنے آیا وہ یہ کہ جیلوں میں ایسے قیدیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کے مقدمے زیر سماعت ہیں عید کے روز جب ہم عام قیدیوں کی بیرکوں میں گئے تھے تو کئی قیدیوں نے ہمیں روک روک کر یہ کہا تھا کہ خدارا آپ لوگ اخبارات میں ہمارے اوپر ہونے والے مظالم اور عدلیہ کے ناکارہ نظام کو صحیح بنانے کے لیے کچھ لکھیں ان قیدیوں نے بتایا کہ ہم پر تقریباً تیرہ تیرہ سال سے مقدمہ چل رہا ہے ہم جب بھی جاتے ہیں ہمیں تاریخ دیدی جاتی ہے لیکن ہم تیرہ سال سے صرف اسی انتظار میں بیٹھے ہیں کہ ہم پر جرم ثابت ہو اور ہمیں سزا ملے۔ کئی قیدیوں کو دس سال کے بعد سزا سنائی گئی اور قانون کے تحت اس کی سزا اس روز سے شروع ہوئی جس روز وہ سزا سنائی گئی ہو گویا ان کے وہ دس سال قید میں شامل نہ ہوئے۔ بقول ہمارے ایک صحافی دوست کے کہ پاکستان کے عدالتی نظام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی مقدمات اتنے عرصے تک چلتے رہے ہیں کہ مقدمہ کا اصل محرک مر بھی جاتا ہے لیکن اس پر مقدمہ کی کارروائی جاری رہتی ہے اس طرح اگر دیکھا جائے تو ایسے قیدیوں کو جنکو مختلف مقدمات کے سلسلے میں دس دس سال تک جیل میں رکھا جاتا ہے اگر جرم ثابت نہ ہو تو وہ دس سال کس کھاتے میں جائیں گے۔

جیل میں قیدیوں کے لیے علاج معالجے کا انتظام انتہائی ناقص ہے دو ہزار قیدیوں میں صرف ایک ڈاکٹر اور ایک باقاعدہ کمپاؤنڈر مضر صحت کھانا کھانے اور نشہ آور اشیاء کے استعمال کی وجہ سے مریضوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے لیکن جیل کے اسپتال میں نہ تو مریض کو پرہیزی کھانا دیا جاتا ہے اور نہ ہی یہاں ادویات ہیں جن سے علاج ہو سکے

اس طرح پاکستان کی جیلیں بھی معاشرے کی برائیوں کو تیز کرنے میں اپنا کردار بخوبی انجام دے رہی ہیں یقیناً یہ تمام جرائم جن کے سلسلے میں لوگوں کو قید کیا جاتا ہے اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک لوگوں کو روزگار کے بہتر مواقع فراہم نہیں کر دیئے جاتے اور ایک مکمل خوشحال اور انصاف سے پر معاشرہ قائم نہیں ہو جاتا۔

جماعت اسلامی کی تنظیم اساتذہ کے خلاف کارروائیاں کرا رہی ہے

میانوالی
روشن ملک

جماعت کے بچے طلبا نمائندگی افق سے ہٹا دیا گیا!

ضلع ڈیرہ غازیخان میں اسٹوڈنٹس الائنس کا پورا پینل کامیاب ہوا جبکہ انٹر کالج راجن پور میں بھی آزاد گروپ اسٹوڈنٹس الائنس راجن پور نے اسلامی جمعیت طلبہ کے تمام امیدواروں کو عبرتناک شکست دیکر طلباء کی نمائندگی کے افق سے ہٹا دیا ہے۔

طلباء برادری نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے افق پر وہ رہ سکتا ہے جو ترقی پسند ہو اور طلباء کے اجتماعی مفاد کا خیال رکھتا ہو جبکہ اسلامی جمعیت طلبہ جماعت اسلامی اور حکومت کی لے پالک تنظیم ہے اور ملک میں خانہ جنگی کرانا چاہتی ہے۔

اسٹوڈنٹس الائنس راجن پور کے کامیاب امیدواروں کے نام یہ ہیں:

۱۔ محمد میاں عبدالصمد نے ۴۶ ووٹ لیکر زبردست کامیابی حاصل کی جبکہ نائب صدر لطف علی درانیک تھے انہوں نے بھی ۶۴ ووٹ حاصل کیئے اسی طرح سیکرٹری جنرل نیاز اللہ تسنیم درانی تھے جنہوں نے ۶۲ ووٹ لیکر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ منتخب جوائنٹ سیکرٹری عبید اختر ناصر بھی الائنس ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کامیاب امیدواروں نے ذوالفقار علی بھٹو کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔

ادھر ضلع میانوالی میں پیپلز پارٹی کے حامی اساتذہ اور لبرل اساتذہ کے خلاف انکوائریاں کروائی جا رہی ہیں اور جماعت اسلامی کی اساتذہ کی تنظیم "تنظیم اساتذہ" سکولوں میں اساتذہ کے خلاف کارروائیاں کرنے میں مصروف ہے محکمہ طور پر بھی اساتذہ کے کوائف جمع کیئے جا رہے ہیں اور پولیس اور جماعت اسلامی بھی اساتذہ کی سی آئی ڈی پر لگی ہوئی ہے۔

بہاولپور

محمد اقبال رانا

قید و بند نے اُن کے عزائم کو مزید پختہ کر دیا

ضلع بہاولپور سیاسی اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں پر ایک عرصہ تک پاکستان پیپلز پارٹی پر جاگیرداروں اور نوابوں کی اجارہ داری رہی ہے۔ مگر گذشتہ سال سے حالات نیا رخ اختیار کر گئے ہیں۔ پیپلز پارٹی کی عملی جدوجہد نے بہاولپور کی علاقائی سطح پر کافی باشعور اور ذہین سیاسی کارکن پیدا کئے ہیں۔ اور یوں وہاں کے اجارہ دار سیاستدانوں کی سیاسی پوزیشن کافی کمزور کر دی ہے عوام کو قومی اتحاد اور دیگر سیاسی رہنماؤں کے حقیقی کردار کا پتہ چل گیا ہے عملی طور پر قومی اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا ہے

گذشتہ سال سابق سینیٹر اور امیدوار قومی اسمبلی قاضی ملک شاہد کو قابل اعتراض لٹریچر رکھنے پر مارشل لاء کے تحت ایک سال سزا سنائی گئی۔ سزا کے خاتمہ کے بعد قاضی ملک شاہد رہا ہو کر آئے تو ان کے عزائم پہلے سے بھی کہیں زیادہ پختہ ہیں۔ اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو کو ہائی کورٹ میں سنائی جانیوالی سزائے موت سے قبل پارٹی کے چند ممتاز رہنماؤں اور کارکنوں کو مارشل لاء کے ضابطے ۱۲ اور ۳۳ کے تحت نظر بند کر دیا گیا تھا۔ جن کو نظر بند کیا گیا تھا ان میں پارٹی کے ضلعی جنرل سیکرٹری شاہد مرزا اور تحصیل صدر مسٹر نور احمد نادر اور صوبائی اسمبلی کے امیدوار چوہدری منظور احمد، منیر طاہر ایڈووکیٹ مسٹر حسین آزاد ایڈووکیٹ، ڈاکٹر عبدالرحمان، عبدالشکور، ملک ممتاز حسین، مبارک بور، عبدالوحید برخ سلیمان، اور دیگر کارکنوں کے نام قابل ذکر تھے۔

یہاں پر حالات کو دیکھتے ہوئے ضلعی جنرل سیکرٹری مسٹر ایوب لودھی نے پہلے ہی سے استعفیٰ دیدیا تھا مسٹر ایوب لودھی کے بارے میں یہاں کے باشعور پارٹی کارکنوں اور عوام کا ردعمل یہ ہے کہ وہ مفاد پرست شخص تھے انہوں نے نیازی گروپ میں شمولیت اختیار کی۔ اور پھر دوبارہ پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی ہے اس لئے کارکنوں میں مسٹر لودھی کے لئے اور بھی زیادہ نفرت اور غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔ مسٹر ایوب کے علاوہ سابق سینیٹر مسٹر مسعود احمد خان اور بہاولپور شہر کے سابق صدر مسٹر مسعود الحسن قریشی نے بھی نام و نہاد نیازی گروپ میں شمولیت اختیار کی۔ مسٹر مسعود اینڈ مسعود اب لبرل گروپ سے مایوس ہو چکے ہیں اور پاکستان پیپلز پارٹی کی دعوت کے منتظر ہیں۔ آج کی صورت حال کے مدنظر پاکستان پیپلز پارٹی ضلع میں سب سے زیادہ مضبوط جماعت ثابت ہو رہی ہے۔ بے حد مشکلات و مصائب کے باوجود حاصل پور تحصیل میں پاکستان پیپلز پارٹی حاصل پور کے صدر اور سابق ممبر صوبائی اسمبلی ڈاکٹر راؤ اختر علی جو کہ ایک ذہین اور بہاولپور ضلع میں مدبر سیاستدانوں میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے پارٹی کو مضبوط کرنے کے لئے جدوجہد تیز کی پارٹی کارکنوں اور عوام کے ساتھ رابطہ مسلسل قائم رکھا ہے۔ اسی طرح سٹی حاصل پور کے صدر چودھری محمد عظیم ایڈووکیٹ ان کا بھی پیپلز پارٹی کے اچھے دانشوروں میں شمار ہوتا ہے اور پارٹی کے ایک مضبوط ورکر ٹائپ انسان ہیں۔ اس کے علاوہ مسٹر عبدالشکور، خادم حسین، ناصر چوہدری، منظور الحق رفیق پہلوان بھی بھرپور جدوجہد کر رہے ہیں پارٹی میں نئے شامل ہونیوالے افراد خاموشی اختیار کر گئے ہیں۔ منیر پور حلقہ کے امیدوار ریاض حسین پیرزادہ پارٹی میں کافی سرگرم معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح احمد پور شرقیہ تحصیل میں مسٹر افضل مسعود ایڈووکیٹ ڈویژنل صدر بہاولپور، سابق وزیر سعد الرشید عباسی، سابق ممبر صوبائی اسمبلی حکیم فقیر محمد حسینی اور تحصیل احمد پور کے صدر شمس مدنی ایڈووکیٹ مکمل جذبے اور حوصلے کے ساتھ جدوجہد کر رہے ہیں۔ ضلعی صدر سابق ایم این اے جناب شیخ شجاع اللہ پارٹی کے موقف پر پوری قوت سے ڈٹے ہوئے ہیں۔ مگر اسی دوران پارٹی سے غائب رہنے والوں میں قابل ذکر رہنما یہ ہیں۔ مخدوم شمس الدین گیلانی میاں سردار عسولیسی، سابق ایم پی اے اور حاصل پور سے صوبائی اسمبلی کے امیدوار مقصود حسین گل اور سابق ایم این اے نور الحسن منگھیروی بھی پارٹی سے کنارہ کشی کئے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کا واسطہ عوام اور پارٹی کارکنوں سے نہیں رہا۔ اب مجموعی طور پر پارٹی کی قیادت پرانے اور مخلص کارکنوں کے ہاتھ میں ہے اور کارکن اس مشکل دور میں بڑے جذبے سے جدوجہد کر رہے ہیں اور حالات اور واقعات کے مطابق مستقبل میں پاکستان پیپلز پارٹی بہاولپور میں بڑی واضح اکثریت سے کامیاب ہوگی اور یہاں یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ قومی اتحاد یا دیگر رجعت پسند سیاستدانوں کا بہاولپور میں شاید کوئی امیدوار کامیاب ہو سکے۔

ہڑتال کا حق بحال کیا جائے

سرگودھا

محمد الطاف چغتائی

پنجاب شوگر ملز فیڈریشن کا ایک ہنگامی اجلاس کوہ نور شوگر ملز جوہر آباد میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت فیڈریشن کے صدر شوکت حسین نیازی نے کی اجلاس میں پنجاب بھر کی شوگر ملوں کے مزدور نمائندوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں ملک کی سیاسی معاشی صورتحال کا جائزہ لینے کے علاوہ محنت کشوں پر ظلم و جبر اور گرفتاریوں کی شدید مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ مزدور فیڈریشن پنجاب کے جنرل سیکرٹری محمد امین خان اور جوائنٹ سیکرٹری غلام علی سیال کو فی الفور رہا کیا جائے اجلاس میں اتفاق رائے سے پنجاب شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری کی گرفتاری کی وجہ سے ملک لعل خان کو قائمقام جنرل سیکرٹری نامزد کیا گیا۔ پنجاب کی شوگر ملوں کے ان نمائندہ اجلاس میں بارہ قرار دادیں منظور کی گئیں جن میں مطالبہ کیا گیا کہ ذوالفقار علی بھٹو سمیت ملک کے تمام سیاسی رہنماؤں، کارکنوں، طالب علموں، مزدوروں اور صحافیوں کو بلا تاخیر رہا کیا جائے صحافیوں کے مطالبات فی الفور تسلیم کئے جائیں ٹریڈ یونینوں پر عائد کردہ پابندیاں ختم کی جائیں، جلسہ اور جلوس کی آزادی دی

جلائے اور ہڑتال کا حق بحال کیا جائے، ملک میں بڑھتی ہوئی بے چینی سیاسی اور معاشی بحران کے پیش نظر بلا تاخیر انتخابات کرائے جائیں اور حکومت اپنی توجہ صرف انتخابات تک محدود کرے، ریاستی تحویل میں لیئے گئے کارخانوں کی نجی ملکیت میں واپسی کے صدارتی حکم کو منسوخ کیا جائے اور شوگر انڈسٹری میں ٹھیکیداری نظام کو ختم کیا جائے قراردادوں میں لبیہ شوگر ملز کی انتظامیہ کے مزدور دشمن رویہ کی مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا کہ مزدوروں کے مطالبات تسلیم کئے جائیں فیڈریشن کے نمائندوں نے سندھ میں طالبہ پر فوجی آفیسر کی زیادتی پر زبردست غم و غصہ کا اظہار کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ اس گھناؤنے جرم میں ملوث افراد کو سخت ترین سزا دی جائے اور اس واقعہ کی کم از کم ہائیکورٹوں کے ججوں سے تحقیقات کرائی جائے۔

پیپلز چوک سرگودھا میں زبردست عوامی مظاہروں کے دوران بھٹو کی رہائی، جمہوریت کی بحالی اور انتخابات کے انعقاد کے لئے فلک شگاف نعرے لگائے گئے۔ عوام گرفتاریاں پیش کرنیوالے کارکنوں کے استقبال کے لئے کچہری بازار میں سڑکوں کے دونوں طرف بھاری تعداد میں کھڑے تھے یہ مظاہرہ پیپلز ایکشن کمیٹی سرگودھا شہر کی ہدایات پر پروگرام کے مطابق شام ساڑھے پانچ بجے کیا گیا جس میں شہریوں نے بھی بھاری تعداد میں شرکت کی جو تین بجے سہ پہر ہی چوک اور نزدیکی بازاروں میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر پولیس کی بھاری نفری موجود تھی۔ اور پولیس افسروں نے چوک کی ناکہ بندی کر رکھی تھی پیپلز پارٹی کے دو کارکن محمد نذیر اور محمد حلیم جب گرفتاری پیش کرنے کے لئے اچانک چوک میں نمودار ہوئے تو پولیس نے روائتی مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں دبوچ لیا۔ مبینہ طور پر پولیس نے دونوں کارکنوں کو زبردست تشدد کا نشانہ بنایا اور مختلف طریقوں سے اذیتیں دیں۔ محمد نذیر کے بازوؤں پر جلتے ہوئے سگریٹ لگائے گئے اور محمد حلیم کی زبان کھینچی گئی اور دونوں کارکنوں کو پیپلز پارٹی کے خلاف اور قومی اتحاد کے حق میں نعرے لگانے پر مجبور کیا گیا۔ بعد ازاں پولیس نے دونوں کارکنوں کو سمری ملٹری کورٹ سرگودھا کے روبرو پیش کیا۔ جس نے جیپر میں بھٹو کی رہائی، آئین، جمہوریت کی بحالی کے لئے مظاہرہ کرنے والے دونوں مجاہدوں کو ایک ایک سال قید سخت اور پندرہ پندرہ کوڑوں کی سزائیں سنائیں یاد رہے کہ مظاہرے کے دوران جن دیگر دو کارکنوں محمد امجد اور محمد جاوید اقبال کو گرفتار کیا گیا تھا انہیں بھی یہی سزائیں سنائی گئی ہیں۔ باوثوق ذرائع کے مطابق ضلعی انتظامیہ نے گذشتہ ہفتہ کے دوران پیپلز پارٹی کے جن کارکنوں اور رہنماؤں کو گرفتار کیا ہے ان کی تعداد تقریباً ۳۶ ہے۔ گرفتار ہونے والوں میں سابق صوبائی وزیر چوہدری ممتاز احمد کاہلوں، سابق ایم پی اے بیگم نور جہاں توفیق، سابق ایم پی اے نذیر راجھا۔ پیپلز پارٹی ضلع سرگودھا کے نائب صدر سید انعام قادر شاہ ایڈووکیٹ، سکریٹری اطلاعات سرگودھا سٹی منظور قریشی سکریٹری اطلاعات تحصیل سرگودھا نسیم اختر ایڈووکیٹ پیپلز پارٹی تحصیل خوشاب کے بانی صدر ملک محمد امیر موتیانہ، پیپلز پارٹی خوشاب کے صدر ملک رب نواز خان، خوشاب شہر کے نائب صدر ڈاکٹر خادم حسین ضلعی ایگزیکٹو کے ممبر سردار خان محمد بلوچ شامل ہیں۔ انہیں مارشل لاء کے ضابطہ ۱۲، ۱۳، اور ۳۳ کے تحت ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا میں نظر بند کیا گیا ہے۔ نظر بندوں میں ملک محمد امیر موتیانہ آف خوشاب گذشتہ دو برس سے آنکھوں کے ایک مرض میں مبتلا ہیں اور ان کی بینائی تقریباً ختم ہو چکی ہے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہیں اور گرفتاری سے قبل زیر علاج تھے۔ پیپلز پارٹی سرگودھا کے ایک رکن محمد بشیر تبسم جو کاسٹنگ سے معذور ہیں اور لاٹھی کے سہارے چلتے ہیں۔ ایک اور نظر بند محمد اختر دائمہ بلڈ پریشر کے مرض میں مبتلا ہیں۔ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے ساتھ روزنامہ مساوات کے بھلوال میں مقیم نامہ نگار مسٹر صفدر علی کو بھی انہی ضوابط کے تحت سرگودھا جیل میں نظر بند رکھا گیا ہے۔ مساوات کارسپونڈنٹس یونین آف پاکستان کے قائم مقام صدر ملک محمد بشیر اور خوشاب۔ جوہر آباد پریس کلب کے جنرل سکریٹری محمد الطاف چغتائی نے مسٹر صفدر علی کی گرفتاری پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ صحافیوں کو محض مساوات سے وابستگی کے جرم میں پابند سلاسل نہ کیا جائے۔ خیال رہے کہ پیپلز پارٹی ضلع سرگودھا کے صدر ملک نسیم احمد امیر، سابق ایم این اے مہر خداداد خان لک اور ضلع سرگودھا کے جنرل سکریٹری میاں جمیل اختر مارشل لاء ضوابط کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں میانوالی میں پس دیوار زندان ہیں انہیں ایک ایک برس قید بامشقت کی سزا سنائی ہے تینوں رہنماؤں کی طرف سے لاہور ہائی کورٹ میں سزا کے خلاف ایک رٹ درخواست زیر سماعت ہے۔

ننکانہ صاحب ✳ **لال دین اختر**

بھارت کی جنگی تیاریاں اور پاکستان کا واویلا

پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما اور پنجاب اسمبلی کے سابق رکن مسٹر برکت علی غیور ایڈووکیٹ نے کہا ہے کہ پاکستان کے اندر بگڑتی ہوئی داخلی صورتحال کے پیش نظر بھارت ۱۹۷۱ء کی طرح اپنی جنگی قوت میں بے پناہ اضافہ کر رہا ہے۔ اگر ہمارے فوجی حکمرانوں نے نوشتہ دیوار پڑھنے کی بجائے سیاست میں لگے ہوئے ہیں اور اگر انہوں نے دفاع پر توجہ نہ دی تو وہ وقت دور نہیں جب بھارت کی جنگی قوت پاکستان کے خلاف حرکت میں آکر مشرقی پاکستان والا سانحہ یہاں بھی دہرانے کی سر توڑ کوشش کرے گی۔

برکت علی غیور نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا ہے کہ بھارت آج کل اپنی تاریخ کے بدترین سیلاب کے مصائب اور اثرات سے دوچار ہے لیکن اپنی تاریخ کے اس سنگین اور پریشان کن لمحہ کے باوجود بھارت اپنی فضائیہ کے لئے دو ارب ڈالر کے خرچ سے ۲۰۰ جیگوار طیارے خرید رہا ہے جو دور تک مار کرنے والے بڑا کا جنگی جہاز ہیں انہوں نے کہا کہ اگر بھارت کے کوئی جنگی عزائم اور مقاصد نہ ہوتے تو یہ رقم سیلاب سے متاثرہ لوگوں کی امداد

اور بحالی پر خرچ کی جاتی۔ یہ طیارے ایک ایسے موقعہ پر خریدے جا رہے ہیں جب جناب ذوالفقار علی کے مقدمہ قتل کی اپیل کے متوقع فیصلہ سے پاکستان کے اندر وسیع پیمانے پر کشیدگی، بے چینی اور اشتعال پھیلنے کا امکان صاف دکھائی دے رہا ہے برکت علی غیور نے کہا ہے کہ جب سے ہمارے فوجی حکمرانوں نے بھارت کو پیارا اور عظیم ہمسایہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ ازلی دشمن اور دوستی کے پردے میں ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور ہمارے فوجی حکمرانوں کی عاقبت نااندیشی کی وجہ سے ہی ہمارا ملک ہی بھارت کو بالواسطہ طور پر جنگی تیاریوں کے لئے قیمتی زرمبادلہ فراہم کر رہا ہے۔ برکت علی غیور نے کہا کہ بھارت کے ساتھ غیر متوازن تجارت بیج کے لئے گندم کی خریداری اور بھارتی شراب سولن کی اسمگلنگ کے ذریعہ بھارت کو پاکستان نے براہ راست خام زرمبادلہ فراہم کیا ہے۔ اس کے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو کے لئے رحم کی اپیلوں کے جواب میں فوجی جنتا اور ان کے حامیوں نے غیر سفارتی زبان اور نامناسب لب و لہجہ اختیار کر کے عرب ممالک کے حکمرانوں کو بالخصوص جس طرح دھتکارا گیا اس کے ردِ عمل سے فائدہ اٹھا کر بھارت نے ان ممالک میں اربوں بلکہ کھربوں روپے مالیت کے منصوبوں، پراجیکٹوں اور تنصیبات کی تکمیل کے آرڈر حاصل کئے اور وہ مشرق وسطیٰ کے ممالک کی منڈیوں پر پاکستان کے مقابلہ میں برتری اور غلبہ حاصل کر چکا ہے۔ اس طرح زرمبادلہ کمانے کے بعد بھارت اب اپنی جنگی استعداد میں بے پناہ اضافہ کر رہا ہے اس مہیب خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارا دفتر خارجہ اور فوجی حکمران ایک طرف تو اس جنگی عدم توازن پر واویلا کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف پاکستان کے اندر بھارتی ٹیم کے ساتھ کھیلے جانیوالے ٹیسٹ میچ بڑے شوق سے دیکھ کر ان سے محفوظ ہو رہے ہیں۔ ہماری زراعت کا وفاقی مشیر بھارت میں زراعت کے متعلق سبق سیکھنے اور وفاقی وزیر گندم کا بیج لینے جاتا ہے۔ اسلام آباد میں بھارت کے تجارتی وفد کے ساتھ پاک بھارت مشترکہ پراجیکٹ قائم کرنے اور بھارت کے تعاون سے پاکستان میں کھاد کا کارخانہ لگانے کے موضوع پر مذاکرات کئے جاتے ہیں۔ بھارت کے ساتھ اچھے تعلقات اور خوشگوار ماحول کا پروپیگنڈا جس شدت کے ساتھ کیا جا چکا ہے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے اپنی فضائیہ کی طاقت بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ پاکستان اور بھارت کے موجودہ خوشگوار اور نارمل تعلقات کے پس منظر میں ہمارے واویلا پر بیرونی دنیا قطعاً کوئی کان نہیں دھرے گی۔ برکت علی غیور نے کہا کہ اب بھی وقت ہے کہ ہمارے حکمران فوجی نوشتہ دیوار پڑھ کر "ڈان کو اکز ورٹ" کا کردار ترک کر دیں۔ دسمبر تک انتخابات کروا کر ملک کی سرحدوں پر چلے جائیں۔ ■

پیپلز پارٹی کے ستر سے زائد رہنما اور کارکن گرفتار کر لئے گئے

فوجی عدالت سے قید بامشقت اور کوڑوں کی سزائیں

ڈیرہ غازی خان
بشیر الامین سالاری

ملک بھر میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کے ساتھ ساتھ حکومت نے حال ہی میں حزب اختلاف کے اخبارات و جرائد پر بھی سنسر شپ عائد کر کے آزادیٔ صحافت کا ایک اور وعدہ پورا کر دکھایا ہے؟ اخبارات کے پبلشروں اور ایڈیٹروں کو نوٹس جاری کر دیئے گئے ہیں اور ضلعی اخباری نامہ نگاروں کی گرفتاریوں کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ ملتان ڈویژن میں ملتان ضلع سے معیار کے نمائندے قصور سعید مرزا اور ڈیرہ غازی خان ڈسٹرکٹ سے امروز، مساوات کے نامہ نگار مقصود بلوچ کو تحفظ امن عامہ کے تحت تین تین ماہ کے لئے جیل میں نظر بند کر دیا گیا ہے۔ گزشتہ دو ہفتوں کے دوران ملتان اور ڈیرہ غازی خان ڈسٹرکٹ میں کم و بیش ایک سو پارٹی کارکنوں و رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا۔ بیشتر کارکنوں کی گرفتاری کے لئے پولیس کے خصوصی دستے، جماعت اسلامی کے لٹھ بردار مجردوں کے ہمراہ گھروں پر چھاپے مارتے پھر رہے ہیں۔ ملتان اور ڈیرہ غازی خان کے ہر چوک اور گلی میں پولیس کے دستے تعینات ہیں اور پارٹی ورکرز کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ کب ختم ہو گا۔ اس کے بارے میں تا حال کچھ کہا نہیں جا سکتا البتہ ایک بات یقینی ہے کہ پیپلز پارٹی کے خلاف انتقامی حربوں سے ملکی سلامتی اور یکجہتی کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

پولیس نے دو ہفتوں کے دوران ملتان اور ڈیرہ غازی خان ڈسٹرکٹ سے جن پارٹی ورکرز اور عہدیداروں کو گرفتار کیا ہے ان کی نامکمل فہرست درج ذیل ہے۔

ڈیرہ غازی خان ڈسٹرکٹ

درج ذیل افراد کو تحفظ امن عامہ کے تحت تین تین ماہ کے لئے ڈسٹرکٹ جیل ڈیرہ غازی خان میں نظر بند کیا گیا ہے۔

بشیر الدین سالار صدر پیپلز پارٹی ڈیرہ غازی خان (سابق ایم پی اے)، سید محسن نقوی سیکرٹری پیپلز پارٹی ڈیرہ غازی خان، مقصود بلوچ رکن پیپلز پارٹی و صدر انجمن صحافیان تونسہ شریف گل محمد جروار رکن پیپلز پارٹی، محمد شفیق رکن پیپلز پارٹی حمید اصغر شاہین سابق نائب صدر پیپلز پارٹی ڈیرہ غازی خان۔

مارشل لاء کے ضابطہ نمبر ۱۳ اور ۳۳ کے تحت درج ذیل افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔

طفیل لغاری ۹ ماہ قید محنت، محمد اکبر دھریجہ نو ماہ قید محنت، غلام سرور الیانی ۶ ماہ قید محنت، سکندر خان کھوسہ ۶ ماہ قید محنت، محمد حبیب قریشی ۶ ماہ قید محنت، محمد نواز جتانی، کوڑا خان استانی عمر خان چانڈیہ، نور محمد جوگیانی، محمد بخش ٹھمبر۔
تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ڈیرہ غازیخان

میں پیپلز لائرز ایسوسی ایشن کے صدر منظور احمد لنگڑ ایڈووکیٹ اور پیپلز پارٹی کے ۱۵ کارکنوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔ تاحال پولیس نے ابھی یہ نہیں بتایا کہ انہیں کونسی دفعہ کے تحت گرفتار کیا گیا ہے۔

ملتان ڈسٹرکٹ

درج ذیل افراد کو زیر دفعہ ۳۰۷، ۳۳۵، ۱۴۸، اور ۱۴۹ کے تحت گرفتار کیا گیا (نامکمل فہرست)

سردار فاروق خان لغاری قائم مقام سکریٹری جنرل پیپلز پارٹی، ڈاکٹر غلام حسین سابق وفاقی وزیر چوہدری ممتاز کاہلوں سابق وزیر اطلاعات پنجاب طالب حسین، سکندر حیات، محمد آفتاب، محمد اقبال

درج ذیل افراد کو مارشل لاء کے ضابطہ نمبر ۱۳ اور ۳۳ کے تحت گرفتار کیا گیا ہے۔

ایم اے گوہیر صدر پیپلز پارٹی ملتان ایک سال قید سخت ۲۰ کوڑے، جعفر عباس نقوی ۱۵ کوڑے ایک سال قید بامشقت، احمد حسین چھ ماہ قید سخت تین ہزار روپے جرمانہ، محمود الحسن دو ہزار روپے جرمانہ، محمد صدیق تین ماہ قید سخت، محمد یوسف تین ماہ قید سخت دو ہزار روپے جرمانہ، غلام مصطفیٰ محمد اکرم، طاہر عباس، عبدالغفور، پیغام علی، اسلم ڈرائیور، ماسٹر عبدالرحمان، محمد سردار، محمد یوسف لبھا، محمد رضا، محمد الیاس، عبدالغفور، محمد سلیم شاہ منظور حسین، معراج بٹ، محمد یونس، عبدالغفور، محمد رمضان، شوکت علی، دلاور حسن، حاجی منظور حسین، سید نذر علی، مشتاق حسین، حبیب احمد خان، ولی محمد، محمد حنیف، محمد اقبال، فدا حسین، یعقوب، سیٹھ عاشق،

تحفظ امن عامہ کے تحت درج ذیل افراد کو نظر بند کیا گیا ہے

قسور سعید مرزا سکریٹری اطلاعات پیپلز پارٹی ملتان، احمد بخش تقیہم سابق ایم پی اے کبیر والا۔

واضح ہو کہ ملتان اور ڈیرہ غازی خان میں گرفتار ہونے والے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی تعداد مندرجہ بالا فہرست سے کہیں زیادہ ہے یہ فہرست نامکمل ہے۔ اس سلسلے میں مکمل کوائف جمع کئے جا رہے ہیں جو جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ پیپلز لائرز ایسوسی ایشن ملتان کے صدر جناب ملک ظفر تقیہم نے اپنے ایک بیان میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی بلا جواز گرفتاریوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ موجودہ حکومت نے تمام انسانی اقدار کو پامال کر دیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ ملک کے محب وطن افراد کو کوڑے جیسی وحشیانہ سزا سے خاموش کرنے کی احمقانہ کوشش کی جا رہی ہے جبکہ سماج دشمن عناصر اور غنڈوں کو کھلی چھٹی دی گئی ہے ••

کوئٹہ • منظور احمد رضی

ریلوے مزدور کی کم از کم تنخواہ ایک ہزار روپے مقرر کی جائے

ریلوے ورکرز یونین کا کنونشن

کل پاکستان ریلوے ورکرز یونین کا سہ روزہ کنونشن (۱۵ تا ۱۷ اکتوبر) کوئٹہ کے ریلوے ہال انسٹیٹیوٹ میں منعقد ہوا کنونشن میں شرکت کے لئے ملک بھر سے سینکڑوں مندوبین شریک ہوئے۔ راولپنڈی، لاہور، فیصل آباد، ملتان میانوالی، کندیاں اور کراچی کے مزدور نمائندے ۱۳ اکتوبر کو کوئٹہ کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۴ اکتوبر کی شام ۴ بجے کوئٹہ پہنچ گئے۔ ریلوے اسٹیشن پر بلوچستان کے ریلوے مزدوروں، بلوچستان لیبر فیڈریشن، بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے رہنماؤں نے باہر سے آنے والے مندوبین کا استقبال کیا۔ ریلوے اسٹیشن پر استقبالیوں سے خطاب کرتے ہوئے مرزا محمد ابراہیم نے کہا کہ ملک میں معاشی تبدیلی لائے بغیر مسائل حل نہیں ہوں گے مرزا ابراہیم نے مطالبہ کیا کہ ملک میں جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں شہری آزادیوں کو بحال کیا جائے انہوں نے کہا کہ ملک میں ریلوے کے مزدور ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں ان کے مسائل حل کئے جائیں انہوں نے کہا کہ ریلوے کے کالے ہاتھی (افسران) ریلوے کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور مزدوروں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کام نہیں کرتے جبکہ اس کے برعکس افسران کام چور ہیں مزدوروں کے دم سے ریل کا پہیہ رواں دواں ہے۔

۱۵ اکتوبر کو ریلوے ورکرز یونین کا اجلاس بند کمرے میں شروع ہو گیا۔ اجلاس میں ملک بھر سے آئے ہوئے مندوبین نے اپنے اپنے یونٹ اور ڈویژن کی رپورٹیں پیش کیں۔ اور مزدوروں کے مسائل پر روشنی ڈالی۔ اجلاس میں یونین کے مرکزی صدر ولی محمد نے بتایا کہ ریلوے انتظامیہ نے مزدوروں کے بعض چھوٹے مطالبات تسلیم کر لئے ہیں جن میں ۳۴۰ روپے ماہوار فرسٹ کلاس کا پاس، ریلوے ملازمین کی بیواؤں کو ہر سال پاس کا اجراء گرم کام کرنے والے مزدوروں کو ہیٹ الاؤنس اور ریلوے کی خالی زمین پر ریلوے ملازمین کو پانچ پانچ مرلہ کا پلاٹ دینے کا وعدہ وغیرہ دیگر مطالبات پر حکومت کے نمائندوں سے بات ہوئی ہے جن میں کم از کم تنخواہ ایک ہزار روپیہ مقرر کی جائے عیدین پر عید الاؤنس اور فیملی میڈیکل الاؤنس وغیرہ۔ اجلاس سے مختلف مزدور نمائندوں نے خطاب کیا اجلاس کا اختتام ۷ بجے شام ہوا۔

۱۶ اکتوبر کو اجلاس صبح ۹ بجے پھر شروع ہو گیا اس اجلاس میں اوپن لائن کے ریفرنڈم کے بارے میں غور و خوض کیا گیا مرزا محمد ابراہیم نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مزدوروں کی مشکلات اور پریشانیوں پر روشنی ڈالی۔ شام ساڑھے چار بجے کھلا اجلاس منعقد ہوا جس میں کوئٹہ ڈویژن کے ریلوے مزدوروں کے علاوہ بلوچستان لیبر فیڈریشن اور بی ایس او کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔

اجلاس میں طے پایا کہ مزدوروں کی تنخواہ کم از کم ایک ہزار روپیہ مقرر کی جائے۔ عیدین پر ملازمین کو عید الاؤنس دیا جائے۔ فیملی میڈیکل الاؤنس دیا جائے ہر ملازم کو ہفتہ واری ریسٹ دیا جائے۔

اجلاس میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں جن میں ملک میں جلد از جلد انتخابات کرانے، تمام مزدور،

اور سیاسی کارکنوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔ قومی ملکیت میں لی گئی صنعتوں کی واپسی اور لاڑکانہ میں مزدوروں پر تشدد کی مذمت کی گئی کار خانوں میں تالہ بندی کے خاتمے اور پریس کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا صحافیوں اور سکول اور کالج ٹیچروں کی حمایت کا اعلان کیا گیا ریلوے افسران کی طرف سے انتقامی کارروائیوں اور ہاریوں کسانوں کی بے دخلی کی مذمت کی گئی۔

اجلاس سے مرزا محمد ابراہیم کے علاوہ خواجہ افتخار الحق ایڈووکیٹ، ولی محمد، محمد رفیق، نادر شاہ بخاری، منظور احمد رضی، عبداللہ جان، راجہ عبدالرحمان بٹ، محمد عظیم بٹ، مولانا شمس الرحمان، محمد ظفر، محمد طفیل عبداللہ بٹ، صوفی سید محمد اور دیگر نمائندوں نے خطاب کیا لاہور کے مندوب مسٹر عارف اور بی ایس او کے سلیم گرد نے نظمیں سنائیں۔

بقیہ: پرانی سیاست گری خوار ہے

اقتدار سے بھی توبہ کر لی ہے۔ وہ انگلستان کے ایک صحافی مسٹر گیون نے کچھ ٹھیک ہی لکھا ہے کہ پاکستان کے موجودہ حکمران ایک اچھے مذہب کو رسوا کرنے کا بیڑا اٹھا چکے ہیں۔

دراصل چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب کے اس بیان سے وہ بلی جو تھیلے سے صرف سر نکالے ہوئے تھی پوری طرح باہر آ گئی ہے اور انہوں نے اپنے اصل عزائم پر سے اب پوری طرح پردہ اٹھا دیا ہے اور اس نوع کے اقدامات مثلاً پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ میں ترمیم یا سنسر شپ کے احکامات کو اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیئے۔

ہم نے تو اب تک انصاف اور عدل کے اسلامی اور غیر اسلامی تصور کے بارے میں یہی سنا تھا کہ کسی شخص یا گروہ کو سزا دینے سے پہلے اس کے جرم کو ثابت کرو، پھر اسے سزا دو۔ لیکن نئے ترمیمی پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے ترمیمی آرڈیننس میں سزا پہلے دی جائے گی اور شنوائی بعد میں ہوگی، یعنی کسی بھی سیاسی جماعت پر یہ الزام لگا کر کہ وہ اسلامی نظریہ، ملک کی آزادی اور سالمیت، عمومی اخلاق کے منافی ہے یا کسی غیر ملک یا پارٹی کے اشارہ پر تشکیل دی گئی ہے یا اس سے فنڈ حاصل کرتی ہے۔ حکومت کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ اسے توڑ دے اس کے ارکان پر سیاسی سرگرمیوں کے دروازے بند کر دے۔ اور اسے شنوائی کا موقع بعد میں فراہم کرے، یعنی پندرہ روز کے بعد اس کا مقدمہ سپریم کورٹ میں پیش کر دیا جائے گا اور پھر عدالت عالیہ یہ طے کرے گی کہ آیا حکومت کا اقدام صحیح ہے یا غلط۔ یعنی پھانسی پہلے دی جائے گی اور یہ بعد میں طے کیا جائے گا کہ وہ شخص جس پر قتل کا الزام تھا واقعی مجرم تھا یا نہیں۔ یہ بات میرے نزدیک اتنی اہم نہیں ہے کہ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے ترمیمی آرڈیننس کا پھانسی کا پھندا کس کے گلے میں ڈالا جاتا ہے، پیپلز پارٹی کے، این ڈی پی کے یا بائیں بازو کی کسی جماعت یا بائیں بازو کے "قومی اتحاد" یعنی عوامی جمہوری اتحاد کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو پھانسی پر چڑھایا جائے، اسے صفائی کا موقعہ دینے سے پہلے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔

پاکستان قومی اتحاد کا دعویٰ تو یہ تھا کہ اس نے اس شرط کے ساتھ مارشل لاء حکومت میں شرکت کی ہے کہ وہ سیاسی سرگرمیوں کی آزادیاں بحال کرا دے گا انہیں وسیع تر کرائے گا اور یہ کہ انتخابات کی حتمی تاریخ بھی متعین کرا دے گا، لیکن جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اس کے برعکس ہے یعنی روز بروز سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی آزادیوں کا دائرہ تنگ کیا جا رہا ہے۔ اس لئے دراصل نئے آرڈیننس کو پولیٹیکل پارٹیز۔ کرٹیل منٹ میں پولیٹیکل فریڈمز اینڈ منٹ آرڈیننس کے نام سے یاد کرنا چاہیئے۔ یعنی سیاسی پارٹیوں کی سرگرمیوں اور آزادیوں کو محدود کرنے کا ترمیمی آرڈیننس کہنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اس آرڈیننس کا کوئی اور مفہوم نہیں ہے۔

صورت یہ ہے کہ آمرانہ طرز عمل کے اعتبار سے موجودہ اسلامی نظام کی دعویدار حکومت ایوب یحییٰ اور پیپلز پارٹی کی حکومتوں کو بہت پیچھے چھوڑ چکی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ تمام قوانین کو باقی رکھے ہوئے ہے جو آمریت کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں جیسے کہ پریس آرڈیننس یا "امن عامہ برقرار رکھنے کا نام نہاد آرڈیننس بلکہ اس نے مارشل لاء کے ضوابط اور دوسرے احکامات کے ذریعہ ان کالے قوانین کے اسلحہ خانے میں مزید نت نئے ہتھیاروں کا اضافہ کیا ہے۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ عوام کی طاقت کے سامنے یہ ہتھیار کام نہیں آئیں گے اور عوام کا سیلاب ایک دن انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ لیکن وہ کسی نے کہا ہے کہ نیش عقرب نہ از پئے کین است۔ یعنی بچھو کے ڈنک میں زہر اور بچھو کے کاٹنے کی عادت کسی سے بغض اور کینہ کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ یہ معاملہ فطرت اور جبلّت کا ہے۔ رجعت پسند طاقتیں عادتاً اور فطرتاً عوام دشمن ہوتی ہیں، ظلم اور استحصال ان کی فطرت کا حصہ ہوتے ہیں، وہ اس کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتے۔ ان کی آنکھوں اور دلوں پر پردے پڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اندھوں کی طرح بھٹکتے رہتے ہیں اور آخر میں دیواروں سے سر ٹکرا کر اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔

اب یہ غور فرما لیجئے کہ بھلا اس سنسر شپ کو کوئی بھی باہوش اور سلیم الطبع انسان جائز قرار دے سکتا ہے۔ یہ تو اتنی کھلی ہوئی دھاندلی ہے کہ بیچارے "جسارت" کو جو وزیر اطلاعات مولوی محمود اعظم فاروقی کا اخبار ہے اور حسرت زدہ ڈان کو جو وزیر داخلہ جناب محمود ہارون کی ملکیت میں ہے۔ اسے غلط ناجائز اور افسوسناک قرار دینا پڑا ہے اور اسی طرح میر خلیل الرحمان صاحب کے جنگ کو بھی کہ اسے حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ حکومت کے اس اقدام پر نکتہ چینی کرنی پڑی ہے کہ لیکن "میں نہ مانوں" پر عمل کرتے ہوئے حکومت وقت کے کانوں پر تا حال جوں تک نہیں رینگی ہے۔ اب مسئلہ انا اور وقار کا درپیش ہے کہ جب سنسر لگا دیا ہے تو اسے فوراً اٹھا کر حکومت کی ناک کا کہ وہ عرصہ دراز ہوا غائب ہو چکی ہے کیونکر تحفظ کیا جائے۔ موجودہ حکومت کو کسی نے بتا دیا ہے کہ اگر غلطی کرو تو اسے تسلیم نہ کرو اور اگر یہ احساس ہو جائے کہ غلطی کی ہے تو اسے نہ صرف یہ کہ تسلیم نہ کرو بلکہ فوراً اس کا ازالہ نہ کرو، کچھ عرصہ گذار کر البتہ اس کی تلافی کرو کیونکہ فوراً غلط اقدام کو واپس لینے سے حکومت

کا وقار ختم ہو جاتا ہے۔ یہی طرز عمل حکومت اس سمجھوتے کے سلسلے میں اختیار کر رہی ہے جس کے تحت حکومت نے آزادئ صحافت کے جملہ اسیروں کو رہا کرنے اور نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات کے برطرف ملازمین کو بحال کرنے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ ابھی تک آزادئ صحافت کی تحریک کے متعدد افراد جیلوں میں بند ہیں۔ ان میں براہ راست گرفتاریاں پیش کرنیوالے ۱۵ افراد یعنی شمیم اصغر، مسعود قمر، جان عالم، ناہید افضال اور عمر اوڈھو، مئی میں حیدر آباد سے گرفتار ہونیوالے حیدر آباد کے ۱۷ مزدور اور طالب علم اور تقریباً ۳۴ ایسے افراد جنہیں اپینک اور پی ایف یو جے کے مظاہروں کے سلسلے میں لیاری سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اسی طرح ٹرسٹ کے اخبارات کے ملازمین کی بحالی قسطوں میں کی جا رہی ہے۔ حالانکہ یہ دونوں کام ایک دن میں انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن سنا ہے کہ وزیر اطلاعات مسٹر فاروقی نے حکام سے کہہ دیا ہے کہ یہ سب کام رفتہ رفتہ کرو ورنہ حکومت کی بیٹی ہو جائے گی۔

پولیٹیکل پارٹیز کے ترمیمی آرڈیننس کے سلسلے میں ہمارے ایک محترم صحافی نے ایک غیر ملکی رسالے میں یہ تبصرہ فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ دراصل زیرِ زمین کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگانا مقصود ہے ان کے نزدیک لاہور میں تشکیل پانیوالا عوامی جمہوری اتحاد دراصل کمیونسٹ پارٹی کا دوسرا نام ہے اور یہ کہ اسے روس کی حمایت حاصل ہے اور افغانستان کے انقلاب کے پس منظر میں اس کا قیام معنی خیز ہے اس تبصرہ کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ "مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ" یا اس پر اس دلچسپ شعر کا ورد کیا جا سکتا ہے کہ "نرگس کو باغ میں جانے نہ دینا۔ کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا" ارے بھائی یہ اتحاد تو افغانستان کے انقلاب سے بہت پہلے سے قائم ہے۔ صرف اس کے عہدیداروں کے باضابطہ انتخابات ابھی پچھلے مہینے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اس طرح کہ تقریباً ۵ جماعتیں انتخابات ہی کے مسئلہ پر اس سے علیحدہ ہو چکی ہیں۔ رہ گئی کمیونسٹ پارٹی تو قبلہ ہماری اطلاعات کے مطابق اس ملک خداداد میں ایک نہیں بلکہ تقریباً چودہ پندرہ کمیونسٹ پارٹیاں قائم ہیں۔ بائیں بازو کے ہر لیڈر یا گروہ نے اپنی اپنی تنظیمیں اور مراکز قائم کئے ہیں۔ آپ کس پارٹی کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا مسلک ہے۔ بعض لوگ عوامی جمہوری اتحاد کو صفر جمع صفر، جمع صفر برابر صفر سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اتحاد بغیر جدوجہد کے ہے۔ اور انوکھا اتحاد ہے کہ اس میں سیاسی پارٹیاں اور طبقاتی تنظیمیں یعنی ٹریڈ یونینیں یا ان کی فیڈریشنیں بھی سیاسی پارٹیوں کی حیثیت سے شامل ہیں۔ جو کچھ بھی ہو ہم اس پر تبصرہ سے گریز کرنا پسند کریں گے کیونکہ اتحاد کا جذبہ مبارک جذبہ ہے۔ شاید یہ جذبہ کبھی انقلابی جدوجہد کو بھی جنم دے سکے رہ گئی یہ بات کہ سیاسی پارٹیوں کے ایکٹ میں ترمیم محض "کمیونسٹ پارٹی" پر پابندی لگانے کے لئے کی گئی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک بھٹو صاحب کے دور میں ایک اور ترمیم سے کمیونسٹ پارٹی کے قانونی بن جانے کی گنجائش پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ دور از کار بات معلوم ہوتی ہے۔ بھائی صاحب یہ سیاسی جماعتوں کے لئے پھانسی کا پھندا تیار کیا گیا ہے، کس کی گردن میں پڑتا ہے، اور کب پڑتا ہے، اس کا فیصلہ تو موجودہ حکمرانوں کی نیت اور مفادات پر مبنی ہے، اگر انہیں زیادہ خطرہ پیپلز پارٹی سے ہوگا تو یہ پھندا اس کی گردن میں ڈالدیا جائے گا اور کسی اور سے ہوگا تو اسے اس کی گردن کی زینت بنا دیا جائے گا، ہتھیار وضع کر لیا گیا ہے اب یہ کس کے خلاف استعمال کیا جائے گا، اس کا فیصلہ حکومتِ وقت کرے گی۔

بقیہ : حسین نقی

ہیں (بھائی کاتب صاحب خرچی نہ لکھ دیجئے گا یہ ایک اور خطرناک مزاحیہ کردار ہے بڑا گھپلا ہو جائیگا) کیونکہ قوم کے باقی حصے اس فراغت کے مشغلے سے محروم ہیں ہنسی مذاق کا وقت کس کے پاس ہے فکرِ معاش اور عشق بتاں سے جان چھوٹے تو یہ شغل کیا جا سکتا ہے فوج میں جا کر فکرِ معاش سے انسان آزاد ہو جاتا ہے اور عشق بتاں کی فرصت نہیں رہتی۔ لہٰذا ہنسی مذاق میں زندگی گذر جاتی ہے اور جن کو اللہ نے توفیق دی انہوں نے اس کو لکھ کر ہم کو آپکو بھی بچپن سے اس عمر تک کافی ہنسایا ہے جس کے لئے میں میجر جنرل شفیق الرحمان اور کرنل محمد خان دونوں کا ہی ممنون ہوں۔ آپ بھی ہونگے۔

میرا خیال ہے جنرل ضیاء نے بھی اپنے ان ساتھیوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اور وہ اسے سیاست میں استعمال کر رہے ہیں ورنہ ہم نے تو وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب میاں افتخار تاری نے (جنہیں احتسابی ٹریبونل نے بالکل بری کر دیا۔ اور اب وہ بڑھکیں نہیں مارتے جو اپنے حاکم مصطفےٰ کھر کے دور میں مارتے رہے ہیں) لاہور کے دو بھانڈوں کو گرفتار کروایا۔ کہ انہوں نے حکمرانوں کے لطیفے شادی بیاہ کے موقعہ پر سنا دیئے تھے۔

ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ جنرل ضیاء کی حکومت میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور بھانڈ اپنا ہنسنے ہنسانے کا دھندہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ویسے اگر آپ الفتح کے قاری رہے ہیں تو اپنے سب سے پہلے کالم میں میں نے لکھا تھا کہ آپ مجھ سے سماجی معاشرتی حالات پر سیر حاصل تبصرہ کی کوئی توقع نہ رکھیں کیونکہ یہ کام صحافیوں کے بجائے اب صرف اور صرف بھانڈ اور میراثی کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

سنسر لگنے کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم دوبارہ اسی جگہ واپس پہنچ گئے ہیں۔ اور اب میں شادی بیاہ کے دعوت ناموں کی آس لگائے بیٹھا ہوں کہ لاہور کے معروف بھانڈوں سے کچھ INSPIRATION حاصل کروں میرا خیال ہے کہ اب وہی صحافت کی گاڑی کو آگے کھینچ سکتے ہیں۔ اور ہمارے تھکے ٹوٹے اعصاب کو کچھ آرام مل سکتا ہے۔

سنسر لگنے سے مجھے بہت آرام ہے اب مجھ سے ایڈیٹر لوگ کالم لکھوانے کی بات نہیں کرتے اخباروں اور دیگر اداروں میں بھی کام میں مندا آگیا ہے ویسے بھی لکھنے پڑھنے سے آدمی خرابی پیدا کرتا ہے اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی۔

ویسے بھی ہم اپنے اسلاف کے کارناموں پر سینے پھلانے اور بڑھکیں مارنے والے لوگ ہیں یا پھر گذری ہوئی مصیبتوں پر آنسو بہانا اور رائے زنی کرنا ہمارا محبوب مشغلہ ہے

آج جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دیجئے کل اس کا ماتم کر لیں گے !!!

ہے کہ پورے ملک میں رابطے کی باضابطہ زبان ایک ہو، اور معاشرتی اطوار کو قرآن کے واضح عمرانی اصولوں کی روشنی میں از سر نو ترتیب دیا جائے۔

ملکی سالمیت کے تحفظ، استحکام مملکت اور اتحاد المسلمین کے لیے شیعہ حضرات کی جدوجہد بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتی، حافظ کفایت حسین اعلی اللہ مقامہ اور علامہ رشید ترابی علیہ الرحمۃ سے کون واقف نہ ہوگا۔ جن کے علمی افکار رہتی دنیا تک تاریخ عالم پر ثبت ہو چکے ہیں آج بھی بلا امتیاز عقیدہ تمام مسلمانوں کو ایک متحد اور مستحکم اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے دعوت فکر دے رہے ہیں علامہ سید محمد رضی مجتہد بھی انہی گراں قدر شخصیتوں میں سے ایک ہیں جو اسلامی افکار کے مطابق ملک میں ایک مستحکم اور متحدہ معاشرتی انقلاب کے خواہاں ہیں۔

مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں ہم سربراہ مملکت صدر محمد ضیاء الحق اکابرین ملت اور سیاسی مفکرین سے یہ گذارش کرنے میں حق بجانب ہیں کہ پاکستان اور برادر ممالک سے دنیائے شخصیت کے مقتدر علماء کو اسلام آباد آنے کی دعوت دی جائے اور نفاذ شریعت کے سلسلہ میں ان سے بھی صلاح مشورہ کیا جائے تاکہ ملک میں اسلامی نظام کا عمل مؤثر و مستحکم ہو اور انصاف کے تقاضے بھی پورے ہو جائیں۔

(سید محمد رضی رکن اسلامی نظریاتی کونسل)

کوڑوں اور زنجیروں کا تحفہ

آپ کے رسالے میں جناب حسین نقی صاحب کا کالم پڑھا (۲۲ ستمبر ۸۰) تو یہ محسوس ہوا کہ ہماری قوم کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک ایسے گڑھے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے جہاں سے بچ نکلنا غالباً ناممکن ہے۔

وطن کی قدر کوئی ہم سے پوچھے وطن سے دوری نے ہمیں اس درجہ حساس بنا دیا ہے کہ وطن عزیز کو لگنے والی ہلکی سی خراش ہمارے دلوں میں ایک گہرا زخم بن جاتی ہے اور خاص طور پر اس ملک میں رہتے ہوئے کہ جس کا کردار پاکستان کے موجودہ بحران میں روز روشن کی طرح عیاں ہے درد کا یہ احساس اور شدید ہو جاتا ہے بار بار ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ پاکستان کے جسم پر یہ سرجری کب تک ہوتی رہے گی ہم دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل کب ہوں گے۔ ایک طرف تو ملک میں جمہوریت کی بات کرنے والوں کو کوڑوں اور زنجیروں کا تحفہ دیا جاتا ہے اور دوسری طرف انسانیت اور اسلام کا دعویٰ کرنے والی حکومت کے نمائندہ سفیر صاحب سے جب یہاں کے پرابلم کی بات کی جاتی ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ ہم تو "بھکاری" ہیں۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ یہاں کی حکومت سے اپنے انسانی حقوق کی بابت بات کریں یہاں تک کہ کوئی باعزت پاکستانی سفارت خانے کا رخ کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہے کہ دھکے دیکر نکال دیا جائے گا دوسرے لفظوں میں سفارت خانے میں بھی "نظام مصطفیٰ" نافذ کر دیا گیا ہے۔

پاکستان سے آنے والے دوستوں سے جب پاکستان کے اندرونی حالات کا علم ہوتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ کیا بقول جنرل ضیاء واقعی ہمارا آئین کاغذ کے بارہ صفحے تھے کہ جنہیں پھاڑ کر پھینک دیا گیا۔ کیا واقعی جماعتی فسطائیت ہمارا مقدر بن چکی ہے جس کا نشانہ میں ذاتی طور پر پنجاب یونیورسٹی میں بن چکا ہوں کیا جمعیت طلباء کی غنڈہ گردی پنجاب یونیورسٹی کے احاطے سے نکل کر سارے ملک پر مسلط ہو جائے گی۔ کیا مشرقی پاکستان والا ڈرامہ پھر دہرایا جائے گا۔

ہمیں ان سوالوں کا جواب کون دیگا وقت نے ہر بار ثابت کیا کہ جب اصولوں اور قانون کی تمام راہیں بند کر دی جائیں تو پھر ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ ظلم اور تشدد کی چکی میں پسے ہوئے کسان اور مزدور اپنے ہل اور اوزار چھوڑ کر جدوجہد کریں اور ایسے میں جیت ہمیشہ اصولوں کی ہوتی ہے اگر کسی کو یقین نہیں آتا تو ویت نام، چین، کوریا، اور الجزائر کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

بیگم نصرت بھٹو نے سانحہ ملتان پر کہا تھا کہ ہم پاکستان کو انڈونیشیا نہیں دینے نام بنائیں گے اور آج وہ وقت آ پہنچا ہے کہ ہم استحصال کے پودے کو جڑیں مضبوط کرنے سے پہلے ہی اکھاڑ پھینکیں۔ ورنہ جماعت اسلامی کے جونک نما وزیر قوم کے ایک ایک شہری کا خون چوس لیں گے۔ اور تاریخ کے صفحوں سے ہمارا نام و نشان مٹ جائے گا ہمیں فیصلہ کرنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے عوام کے شعور کو جگانے اور انہیں حقیقی خطرات سے آگاہ کرنے کے سلسلہ میں آپکے کردار پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ندیم سالک۔ الریاض

صرف غریبوں کی سیاست چلے گی

پاکستان ہمارے آباؤ اجداد نے بڑی عظیم قربانیوں کے بعد حاصل کیا تھا اور وہ یہ سوچ کر اس ملک کے لیے اپنا لہو دیتے رہے کہ پاکستان میں ہر قسم کی آزادی ہوگی ظلم و استحصال کا دور دورہ نہیں ہوگا ہر ایک کی عزت محفوظ ہوگی۔

لیکن آج وطن عزیز شدید بحران کا شکار ہے، مارشل لاء نافذ ہے مزدوروں کی چھانٹیاں ہو رہی ہیں کسانوں اور ہاریوں کی بے دخلیاں وسیع پیمانے پر ہو رہی ہیں ملک کے آئین کو کاغذ کا پرزہ سمجھا جا رہا ہے سرداری نظام بحال کیا جا رہا ہے عوامی نمائندوں، صحافیوں، طالب علموں اور مزدوروں کو کوڑے مارے جا رہے ہیں قانون کی بالادستی کا راگ الاپنے والے خود قانون شکنی کر رہے ہیں، اسمگلنگ، رشوت غنڈہ گردی، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، منافع خوری جیسی لعنتیں اس نظام مصطفیٰ کے دور میں عروج پر ہیں اور فروغ پا رہی ہیں ملک میں بے یقینی کی فضا ہے پوری قوم پر ایک شخص اور ایک جماعت کی رجعتی رائے مسلط کی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ طلباء، مزدور، کسان، صحافی ادیب، وکلاء، اساتذہ، ادیب، فنکار، کلرک، مستری ڈرائیور، سرکاری ملازم، خوانچہ فروش، مرد عورتیں اس ملک کی سیاست میں حصہ نہ لیں کیونکہ یہ ان طبقات کا ملک نہیں ہے جبکہ یہ ملک سرمایہ داروں کا ہے اور بیورو کریسی کا ہے جماعت اسلامی کا ہے لیکن اگر بیورو کریسی ملکی سیاست میں نظریہ ضرورت کے تحت حصہ لے سکتی ہے تو مندرجہ بالا طبقات بھی ضرور سیاست میں حصہ لیں گے یہ ملک کسی کی جاگیر نہیں ہے یہ غریبوں کا ملک ہے اور غریب ہی اس ملک کے اصل مالک ہیں اور اس ملک میں صرف اور صرف غریبوں کی سیاست ہی چلے گی وہ دن دور نہیں ہیں کہ جب اس ملک کا محنت کش طبقہ کچلے ہوئے استحصال زدہ طبقات اپنا حق چھین لیں گے

خ۔ م۔ شوق قومی محاذ آزادی راولپنڈی

قومی اتحاد اور آزادی صحافت

اخباری کارکن ایک عظیم اور طویل جدوجہد سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ مارشل لاء انتظامیہ نے جو آزادی اظہار اور آزادی صحافت کا دعویٰ کرتی ہے چند ایسے اخبارات اور رسائل پر اشاعت سے قبل سنسر لگا دیا جو حزب اختلاف کی خبریں اور تبصرے شائع کرتے ہیں ۱۸ اکتوبر کا مساوات جگہ جگہ سے سنسر کی نذر ہوا تھا، اداریہ غائب تھا اور صفحات کی سفیدی آزادی صحافت کے دعوے کا مذاق اڑا رہی تھی۔ یہ کیسی آزادی صحافت ہے؟ کہ حزب اختلاف کی آواز کو دبایا جا رہا ہے کہاں ہیں پی این اے کے وہ رہنما جو آزادی صحافت کے لیے شور مچایا کرتے تھے مارشل لاء انتظامیہ اور اس کی کابینہ میں شریک پی این اے کی جماعتوں نے دعوے تو بہت کیے تھے الیکشن کرانے کا وعدہ کیا تھا چادر اور چار دیواری کے تحفظ کا یقین دلایا تھا اور آزادی صحافت کی باتیں کی تھیں کیا یہی اسلام ہے کیا یہی نظام مصطفیٰ ہے؟ عوام حکمران طبقات کے ان خوشنما وعدوں سے بیزار ہو گئے ہیں وہ انتخابات کا انعقاد چاہتے ہیں جمہوری اور شہری حقوق کے طلب گار ہیں اور پریس کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور اسی لیے وہ جدوجہد کر رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب عوام کی بالادستی اور حاکمیت اس ملک میں قائم ہوگی۔

الیس لے بلوچ کراچی۔

حیلہ سازی کا دور

غیر آئینی اقتدار کو طول دینے کا بڑا ہی مقدس بہانہ ایجاد کیا گیا ہے تاکہ افواج پاکستان عوام کی نفرت کا نشانہ بن جائیں یہ پاکستان دشمن سامراج نواز "نظریہ ضرورت کا بہیمانہ دور ہے، سرچشمہ نظریہ ضرورت اسلام کا مقدس نقاب اوڑھ کر آیا ہے۔ لات و منات جن کو حضور رسالتمآب اور والذین معہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے خانہ کعبہ سے نکال پھینکا تھا آج وہ خانہ کعبہ کا غلاف اوڑھ کر اندر گھس آئے ہیں یہی وجہ ہے "قانون ضرورت کی روشنی خندہ پروری دروغ گوئی، کذب بیانی، وعدہ خلافی عہد شکنی، احسان فراموشی، محسن کشی کینہ پروری، ظلم و تشدد، خود پسندی اور زخمی ذہنی منافقت بھی رشک کرتے ہوئے کہتی ہے کہ

تیرے وعدے کو بت حیلہ جو نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

محمد اسلم خاکوانی، کوئٹہ۔
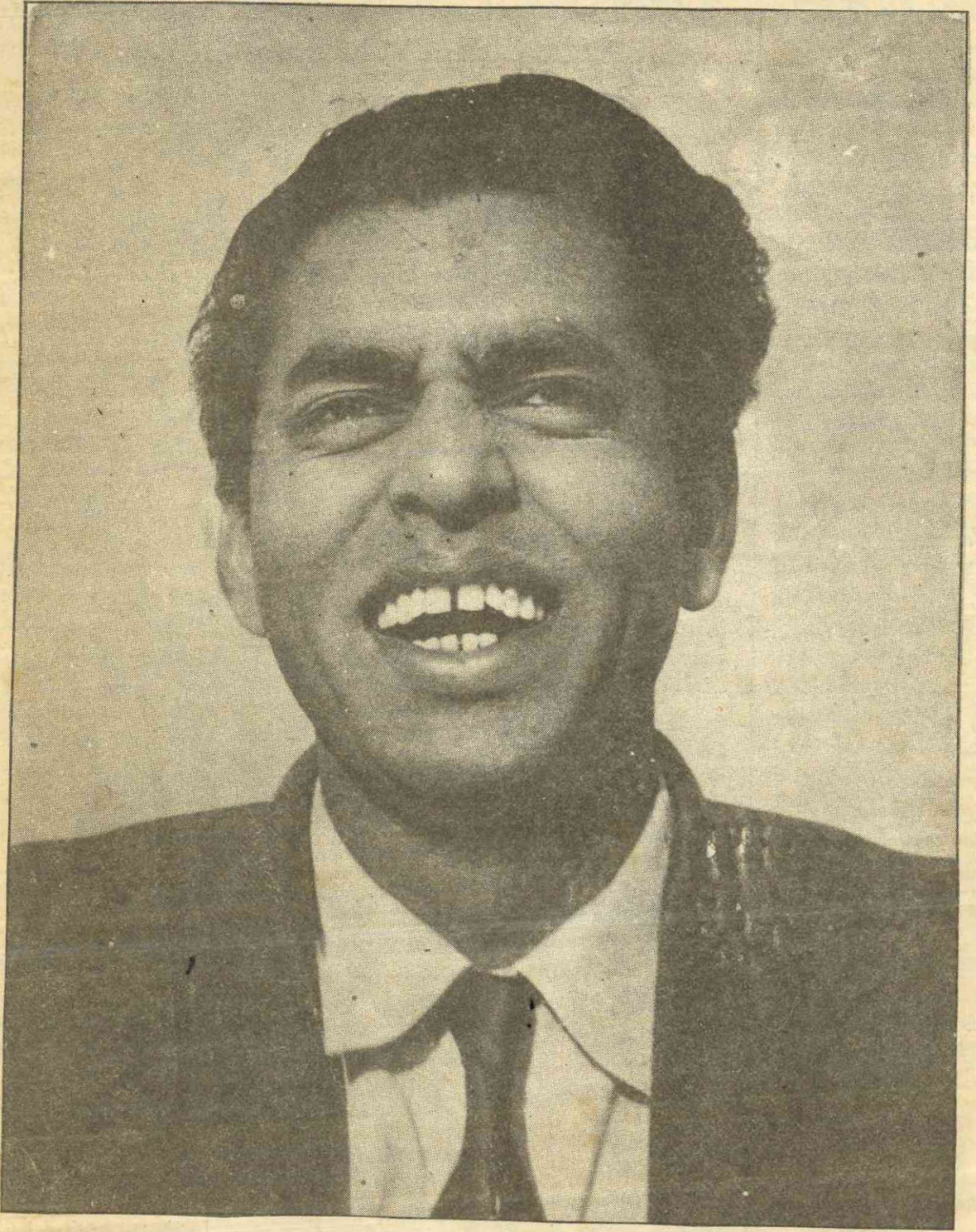
شہیدِ صحافت ابراہیم جلیس

مضامین صفحہ ۳۱ اور ۳۳ پر ملاحظہ فرمایئے